تعمیرِ حیات
لکھنؤ
پندرہ روزہ

# اخلاقی احساس کی بیداری

جو لوگ اس ملک کی ضرورتوں پر گہری نظر رکھتے ہیں اور وقتی جذبات ان پر غالب نہیں ہیں وہ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس وقت ملک کی سب سے بڑی ضرورت اس اخلاقی احساس کی بیداری اور احساس کی ذمہ داری ہے جو با اختیار طبقہ کو ان بے عنوانیوں، زیادتیوں، ناانصافیوں، تنگ نظری، اعزہ پروری، ناجائز طرفداری کی نیچی سطح سے بلند کرے، تجار و ملازمین کو حد سے بڑھی ہوئی نفع خوری، رشوت ستانی اور چوربازاری سے محفوظ کرے، اور اس طرح ملک کو اس عام ابتری، بے نظمی، بے روزگاری، ہوشربا گرانی اور قحط سالی سے بچالے جس کا قریبی خطرہ سر پر کھیل رہا ہے اور جس کی موجودگی میں آزادی کی جنت مصیبتوں اور پریشانیوں کی جہنم بنجاتی ہے، شاید کسی کو اس حقیقت سے انکار نہ ہوگا کہ ہماری تمام علمی، ادبی، تہذیبی CULTURAL اور لسانی LINGUISTIC ضرورتوں پر یہ اخلاقی ضرورت مقدم ہے، فرض کرلیجئے اس ملک کا ایک ہی کلچر، ایک ہی تہذیب اور ایک ہی زبان ہوگئی لیکن ان بداخلاقیوں کا خاتمہ نہ ہوا جنکی وجہ سے زندگی شکل ہو رہی ہے تو کیا اس سے اس ملک کی اصلی ضرورت پوری ہوگئی اور کیا ان بداخلاقیوں اور بدعنوانیوں پر پردہ پڑجائے گا۔ اگر دنیا کے جرائم پیشہ اور بداخلاق انسان جنکی اخلاقی سطح پست اور جن کی زندگی گھٹیا ہو ایک ہی کلچر اور ایک ہی زبان اختیار کرلیں تو کیا دنیا کی کوئی تہذیب اور کوئی عدالت ان کا گناہ معاف کردے گی۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

Regd No. LW/NP 56
Phone: 42948 / 49747
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW 226007 (INDIA)

## مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام کی چند اہم مطبوعات

### مذہب و تمدّن

اس میں بتایا گیا ہے کہ کائنات خالق کائنات اور مقصد حیات کے بارے میں صحیح عقیدہ اور صحیح علم ہی پر ایک استوار معاشرہ اور صالح تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے، دنیا اب تک جن تہذیبی ادوار سے گذر چکی ہے وہ کن عقائد و نظریات کی پیداوار تھیں اور اسلام سے کس طرح ایک صالح اور صحت مند تمدن کا وجود ہوتا ہے۔

معیاری کتابت، آفسٹ طباعت
مجلد قیمت اردو -/۷
" انگریزی -/۸
علاوہ محصول ڈاک

### مقالاتِ سیرت

از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی

مصنف نے اسلامیات، جدید موضوعات اور حالات حاضرہ سے گہری واقفیت سے کام لیتے ہوئے سیرت طیبہ کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے، انھوں نے اس میں سیرت کا تمام جائزہ لیکر اس کی روح وعطر کو عصری اسلوب میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، اور سیرت مطہرہ پر ہونے والے جدید و قدیم اعتراضات کو معذرت خواہانہ انداز کے بجائے محققانہ اور پراعتماد طریقے سے رد کیا ہے، بحیثیت مجموعی یہ کتاب سیرت نبوی کے ذخیرے میں ایک مفید اضافہ کہی جاسکتی ہے۔

جدید ایڈیشن آفسٹ پر
صفحات ۲۴۸
قیمت ۱۵/ علاوہ محصول ڈاک

### ارکانِ اربعہ

(نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج)

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

#### نامور اہلِ نظر و اہلِ فکر کی نظر میں

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم لکھتے ہیں:۔

"مصنف کی تمام کتابوں میں یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے یہ کتاب اس لائق ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی اس سے محروم نہ رہے اور اس لائق ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں اسے رکھا جائے"۔

("معارف" اعظم گڑھ)

مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے لکھا ہے کہ:۔

"شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بعد یہ علم "اسرار شریعت"، متروک سا ہوگیا تھا . . . . . . بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے . . . . اس علم کا احیاء ہی نہیں کیا بلکہ اسے آگے بھی بڑھایا ہے"

(رسالہ "برہان" دہلی)

مولانا سید احمد عروج قادری لکھتے ہیں:۔

"فاضل مصنف نے اپنی بے حد قابل قدر کتاب میں ارکان اربعہ کی شرعی حیثیت، دین میں ان کی اہمیت، اجتماعی زندگی میں، ان کے مقام و مقاصد اور اسرار سے بحث کی ہے . . . . . . (اسرار شریعت کے نامور مصنفین کی کتابوں سے استفادہ) کے علاوہ خود مولانا کے احساسات و تأثرات، فہم و بصیرت نے اگلے علماء کے افادات میں چار چاند لگادیے ہیں"

(رسالہ "زندگی" رامپور)

کتابت وطباعت دیدہ زیب، خوشنما و سادہ ڈسٹ کور، قیمت علاوہ محصول ڈاک، مبلغ پندرہ روپے

حضرت مولانا
سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ
کی اہم تصنیف

### عالمِ عربی کا المیہ

مصنف کی ان معرکۃ الآراء تقریروں کا مجموعہ جو عالم عربی میں قومیت عربیہ کی تحریک کے فروغ اور صدر ناصر کی قوم پرست و اشتراکیت نواز قیادت کے شباب اور عربوں کی اسرائیل سے عبرتناک شکست کے دوران، مشرق وسطیٰ کے اہم شہروں میں کی گئیں، اور وہ مقالات جنھوں نے عرب دنیا میں ایک حرکت و تموج پیدا کردیا۔

اس مجموعہ میں عربوں کی ناکامی کے حقیقی اسباب، غیر دینی قیادت کے رُخ کو تبدیل کرنے کی سازشوں کو بے نقاب، اور قرآن مجید کی عالمگیر و زندہ جاوید صداقتوں کو آشکارا کیا گیا ہے — یہ صداقتیں وقتی اور مقامی نہیں ہیں اور نہ ان خطرات ہی کا کلی طور پر ازالہ ہوا ہے اس لئے یہ مضامین ہمیشہ تازہ اور یہ کتاب ہر جگہ اور ہر زمانہ میں قابل مطالعہ ہے۔

دوسرا ایڈیشن اہم اضافوں کیساتھ معیاری کتابت و آفسٹ طباعت کے ساتھ قیمت -/۱۲
مع محصول ڈاک رجسٹرڈ -/۱۳

مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام، پوسٹ بکس ۱۱۹، لکھنؤ

زرِ تعاون
اندرون ملک ۱۶ روپے
فی پرچہ ۸۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک جملہ ممالک ۴ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک ۶ پونڈ
افریقی ممالک ۷ پونڈ
یورپ امریکہ ۹ پونڈ

# تعمیر حیات

لکھنؤ
پندرہ روزہ
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر (۱۷) | ۱۰ رمئی سنہ ۸۰ء ۔ ۲۴ رجمادی الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ | شمارہ نمبر ۱۳


اداریہ

## لاقانونیت

کسی ملک کا پہلا اور بنیادی مقصد ملک میں امن و امان کا قیام اور لا اینڈ آرڈر کی بحالی ہے۔ ماضی بعید میں بھی جب فلاحی ریاست و حکومت کا تصور دھندلا تھا اس وقت بھی سلاطین اور ان کی انتظامیہ پر مشتمل افراد اپنی پہلی ذمہ داری یہی سمجھتے تھے کہ ملک کے باشندوں میں جان و مال کی حفاظت کا احساس قائم رہے، ہم جب اس بنیادی معیار پر ہندوستان کے نظم حکومت کو دیکھتے ہیں تو بہت مایوسی ہوتی ہے، ادھر چند برسوں سے جسقدر تیزی سے امن اور قانون کا نظام ابتر ہوا ہے اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، آئے دن اخبارات میں جو واقعات سامنے آرہے ہیں وہ اس بات کے لئے کافی ہیں کہ ملک میں امن اور قانون بالکل ختم ہو چکا ہے جان و مال کے محفوظ ہونے کا احساس ملک کے کسی باشندہ میں نہیں ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس لئے زندہ ہیں کہ ابھی تک ہم کو کسی نے مارنے کی کوشش نہیں کی حکومت اور انتظامیہ بالکل بے بس نظر آرہی ہے اور اس بدترین صورت حال کی ذمہ داری کسی مخصوص سیاسی گروہ پر بھی نہیں ڈالی جا سکتی جیسا کہ یہاں کی سیاسی پارٹیاں کر رہی ہیں کہ اگر وہ اقتدار میں نہیں ہیں تو برسر اقتدار پارٹی پر امن و قانون کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی ذمہ داری تھوپ دیتی ہیں اور جب خود ان کو اقتدار ملتا ہے تو وہ اس معاملہ میں اپنی ذمہ داری قبول کرنے اور اپنی ناکامی کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔

یہ ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں کی کمزوری ہے لیکن بہرحال اس صورت حال کو ختم کرنے کی ذمہ داری بھی سیاسی پارٹیوں ہی پر ہے اور اگر یہ بڑھتی ہوئی لاقانونیت اور جان و مال کی طرف سے عدم اطمینان کی کیفیت کچھ دن اور قائم رہی تو ہندوستان میں عوام کا اعتماد جمہوریت پر سے اٹھ جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ جمہوریت ہندوستانی حالات کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ایشیا کے کسی ملک میں اس وقت جمہوریت اپنے صحیح معنی میں موجود نہیں ہے۔ ہندوستان نے اپنے لئے جمہوری نظام پسند کیا اور ۳۲۔۳۳ سال سے وہ اس پر قائم ہے انتخابات کی حد تک یہ جمہوریت اب تک کامیاب ہے اور پابندی سے وقت پر مرکزی انتخابات نے جمہوریت کو ہندوستان میں آگے بڑھنے کا موقع دیا ہے

لیکن یہی بات یہ ہے کہ انتخابات جمہوریت یا اس کے بدلہ کوئی اور نظام حکومت اپنی جگہ پر مقصد اور منزل نہیں ہے بلکہ ایک فلاحی ریاست و حکومت کا قیام اور زندگی کے تمام شعبوں میں عوام کا امن اور قانون کے ساتھ ترقی کرنا ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ حکومت، یہاں تک کہ شخصی حکومتوں کے لئے اصل پیمانہ امن اور نظم و قانون کا صحیح راستہ پر چلنا ہے اگر یہ اساسی پتھر اپنی جگہ سے کھسکا ہوا ہے یا اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے تو پھر عوامی فلاح کی کوئی تجویز اور کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

اسوقت ہندوستان انتشار، بدنظمی اور لاقانونیت کے دہانے پر کھڑا ہے اور نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ چند برسوں بلکہ چند مہینوں میں کیا خطرناک صورتحال سامنے آنیوالی ہے، یہی بات ہے کہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو سامنے آنے کی ضرورت ہے جو اپنے تجربات، رائے اور قومی معاملات میں سوجھ بوجھ میں بہت زیادہ فائق ہوں اور ان کو ملک اور عوام سے محبت و تعلق ہو، چھوٹے درجہ کے وہ سیاسی لیڈر جن کا مقصد ہی عہدہ اور منصب کا حصول، اپنے اعزہ اور خاندان والوں کے مستقبل کو کامیاب بنانے کی فکر ہے ان سے اس طرح کے مسائل کو حل کرنے کی توقع خام خیالی ہے۔

سیاسی جماعتوں کی کمزوری یہ ہے کہ وہ قومی اور ملکی معاملات کو بھی پارٹی کے مفاد و ضرر کے معیار سے جانچتی ہیں اور اس کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور ان کا رویہ ایسے وقت میں اس شکاری کی طرح ہوتا ہے جو گھات میں بیٹھ کر شکار کرنے کا عادی ہے برسر اقتدار جماعت کی غلطیوں کو پکڑنا اسکو اچھالنا اور ان کو اپنی پارٹی کے مفاد میں بنانا یہ ایسی مذموم ذہنیت ہے جس کے ہوتے ہوئے ملک کے وسیع تر مفاد میں سوچنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ نظم و قانون کی جو صورت حال چل رہی ہے اس کے متعلق کسی پارٹی کا یہ سمجھنا کہ ہم جب برسر اقتدار آئیں گے تو اس پر قابو پالیں گے یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے وہ یا عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں یا وہ خود دھوکے میں مبتلا ہیں۔

اس لیئے میرے نزدیک

یہ بہت ضروری ہے کہ تمام اہل فکر اور ملک و ملت کے بہی خواہ حضرات پارٹی اور سیاسی وابستگیوں سے بلند ہو کر اس صورت حال کا حل تلاش کریں ورنہ انتشار و لاقانونیت کی اس تیز آندھی میں اڑ جائیں گے۔

●●


اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ سولہ روپے ارسال فرمائیے اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ ۲۵/۱۹ روپے کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔




## ایک خدا کا تصور اسلام کا بنیادی عقیدہ

مولانا سید عبد الحی حسنیؒ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم۔
(سورۂ بقرہ آیت ۱۶۳)
اور (لوگو) تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا:۔
اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ و لا نوم۔
(سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵)
خدا (وہ معبود برحق ہے کہ) اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

فرمایا:۔
شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ و اولوا العلم قائمًا بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم ۰
(سورۂ آل عمران آیت ۱۸)
خدا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں کہ) اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

فرمایا:۔
قل یٰٓاھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ۰
(سورۂ آل عمران آیت ۶۴)
کہہ دو کہ اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔

---

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا:۔

تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ لہذا تم ان کو سب سے پہلے خدا کو ایک ماننے کی دعوت دینا، جب وہ اس کو سمجھ جائیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، معاذ! تمہیں معلوم ہے کہ بندے کے اوپر اللہ کے کیا حقوق ہیں؟ حضرت معاذ نے فرمایا اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

کیا تم کو معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ جواب میں پھر حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رحم جو کچھ چھپاتا ہے اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، کل کیا ہوگا اس کو اللہ ہی جانتا ہے، بارش کب آئے گی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، قیامت کب آئے گی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (رواہ البخاری)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو رات میں ہونے والی بارش کے بعد صبح کو حدیبیہ میں ہم لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔

نماز کے بعد جب آپ نے لوگوں کی طرف رخ فرمایا، تو ارشاد فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مجھ پر ایمان لائے اور کچھ نے میرا انکار کیا، جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل سے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان لایا اور ستارہ کا انکار کیا، لیکن جس نے کہا کہ فلاں فلاں ستاروں سے ہم پر بارش ہوئی اس نے میرا انکار کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (رواہ مسلم)

حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ کے نبی! میں ابھی قریب ہی زمانہ میں دور جاہلیت سے نکلا ہوں، اللہ تعالیٰ نے دولت اسلام سے نوازا۔ ہم میں کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، حضور نے فرمایا تم کاہنوں کے پاس نہ جانا۔ میں نے عرض کیا، ہم میں کچھ لوگ شگون لیتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ محض وہم ہے، جو ان کو اس سے روک نہیں سکتا۔ . . . . میں نے عرض کیا ہم میں سے کچھ لوگ خطوط کھینچتے ہیں (اس سے خیر و شر معلوم کرتے ہیں) آپ نے فرمایا ایک نبی خط کھینچا کرتے تھے جس کا خط موافق مقصد ہو ٹھیک ہے، (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بیماریوں میں) چھوت نہیں۔ نہ چڑیوں سے فال و شگون لینا درست ہے نہ ہامہ (نامی) چڑیا سے شگون لینا درست ہے . . . (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا، ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، آپ نے فرمایا صاحبزادے میں تم کو کچھ الفاظ بتاتا ہوں! تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تم کو یاد رکھے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو اس کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب کچھ مانگو تو اللہ سے مانگو، جب مدد طلب کرو تو اللہ سے طلب کرو۔ یاد رکھو کہ تم کو نفع پہونچانے کے لئے اگر پوری قوم اکٹھا ہو جائے تو وہ تمہیں فائدہ نہیں پہونچا سکتی مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اور اگر پوری قوم تم کو کچھ نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائے تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ تقدیر لکھی جا چکی اور صحیفے خشک ہو چکے۔

(رواہ الترمذی)

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

# "اس ملک کو تباہی سے بچائیے"

## ہندوستان کے دانشوروں اور مذہبی طبقہ کے نام ـــــ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیغام

**"اس وقت اگر ہندوستان کو انتشار و بے چینی اور اجتماعی خودکشی سے کوئی بچا سکتا ہے تو صرف دو طبقے، ایک دانشوروں کا طبقہ دوسرا مخلص مذہبی طبقہ"**

یہ باتیں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے پیام انسانیت کے اس جلسہ میں فرمائیں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں ہوا تھا اور جس میں اس دانش گاہ کے تقریباً ڈھائی سو اساتذہ اور مختلف شعبوں کے صدر موجود تھے۔ جلسہ کی صدارت ڈاکٹر نذیر احمد صاحب صدر شعبۂ فارسی نے کی۔

ہم برادرم زاہد حسین ندوی کے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اس پیامی تقریر کو قلمبند کر کے، تعمیر حیات کے قارئین کو بھی اس میں شامل کر لیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات! ہمارے قدیم و فاضل دوست جناب نسیم قریشی صاحب نے اپنی محبت سے آپ سب کی جانب سے خیر مقدم کیا ہے اور یہ کہہ کر مجھے شرمندہ کیا ہے کہ آپ حضرات کی خوش نصیبی کہ میں آپ کے درمیان ہوں، لیکن اگر آپ حضرات کی خوش نصیبی فرداً فرداً ہے تو میرے حصہ میں یہ خوش نصیبی اسی تعداد میں آئی ہے جو تعداد آپ کی ہے، اس لئے کہ آپ ایک سے مل رہے ہیں اور میں آپ سب سے مل رہا ہوں، اس لئے کہ اگر آپ میں سے کوئی صاحب ایک بار خوش نصیب ہیں تو میں کم سے کم دو سو بار خوش نصیب ہوں، اس لئے کہ ایک جگہ پر مجھے اپنے اتنے فاضل دوستوں سے اور ایک ایسی دانشگاہ کے محترم اساتذہ، مسلمانوں بلکہ ہمارے ملک کی نئی نسل کی تعلیمی رہنمائی کرنے والوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

### تشویش کی اصل بات:

حضرات! فرد کا معاملہ ہو یا کسی جماعت کا، معاشرہ کا مسئلہ ہو یا کسی ملت کا، میرے نزدیک یہ قطعاً تشویش کی بات نہیں ہے کہ وہ فرد کسی بحران سے گذر رہا ہے یا جماعت گذر رہی ہے یا وہ کسی کمزوری کی شکار ہے یا وہ فرد اور معاشرہ دور ابتلاء سے گذر رہا ہے اس لئے کہ یہ زندگی کی علامت ہے۔

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اپنی بے پایاں صلاحیتوں کے ساتھ کچھ فطری کمزوریاں بھی لاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ انسانی زندگی کا عیب نہیں بلکہ اس کی خوبی ہے اور زندگی کی علامت بھی کہ وہ خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے، اس کے اندر جو متضاد طاقتیں کام کرتی ہیں، ایک طاقت دوسری طاقت پر غلبہ پا لیتی ہے پھر دوسری طاقت ایک طاقت پر غلبہ پا لیتی ہے اسلئے بیماریاں، کمزوریاں، آزمائشیں اور زندگی کے نشیب و فراز یہ بالکل کسی تشویش اور پریشانی کا باعث نہیں۔

آپ میں سے اکثر کی نظر تاریخ پر ہے اور میرا بھی پسندیدہ موضوع انسانی تاریخ ہے بلکہ اسلامی تاریخ جو کہ ایک بہتر انسانی تاریخ بھی ہے اس لئے میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ کسی معاشرہ، ملک اور کسی دور کا کسی اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہو جانا، یا کسی آزمائش سے اس کا عہدہ برآ نہ ہو سکنا، کسی فتنہ کا شکار یا کسی اندرونی خواہش سے مغلوب ہو جانا۔ یہ قطعاً کسی استعجاب یا اس سے بڑھ کر اضطراب کا مستحق نہیں، یہ انسانی زندگی کی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تاریخ کا ہر طالب علم نہ صرف اچھی طرح واقف ہوتا ہے بلکہ قوموں، تہذیبوں کے زوال، فلسفہ، معاشرہ اور اخلاقیات کے انحطاط اور اسلامی تحریکات کی ناکامی جیسے پریشان کن واقعات سے باخبر ہوتا ہے اور ان سے وہ قطعاً مضطرب اور متاثر نہیں ہوتا۔ **ایک حساس، دردمند دل اور ضمیر رکھنے والے انسان کی حیثیت سے مجھے اس بات سے بالکل پریشانی نہیں ہے کہ ہمارا معاشرہ، ملت اور ہماری ملت اسلامیہ کچھ بیماریوں کا شکار ہے اور اس میں بعض غیر صحتمند چیزیں پائی جاتی ہیں بلکہ اصل تشویش کی بات یہ ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے والی کوئی جماعت اس سے نبرد آزما ہونے والی کوئی طاقت موجود نہیں، انسانی زندگی بلکہ انسانی تقدیر کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن اور اضطراب انگیز یہ ہے کہ بیماری ہو اور اس کا علاج کرنے والا کوئی نہ ہو، سیلاب آ رہا ہو اور اس پر کوئی بند باندھنے والا نہ ہو، زلزلہ آنے والا ہو اور اسے محسوس کرنے والا نہ ہو آگ لگی ہوئی ہو اور اس کا کوئی بجھانے والا یا کم سے کم بیقراری کے ساتھ چیخنے والا نہ ہو کہ "آگ لگی ہے"۔** جو کہ انسانی زندگی کی بالکل ابتدائی اور اولی علامت ہے۔

### انسان کے زندہ ہونے کی علامت

یہ ہے کہ وہ ایسے پریشان کن حالات سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے اندر کے احساسات اور اس کا باطن اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے، اور مختلف شکلوں میں اپنے رد عمل کا اظہار کرتا ہے اور آئینہ کی طرح وہ عکس بھی دکھاتا ہے مگر گرد و پیش کے واقعات کا آئینہ کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے اس کی کوئی قیمت بھی نہیں ہوتی۔ میرے لئے صرف یہ پریشانی کی بات نہیں ہے کہ ہمارے معاشرہ میں کچھ خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ ہماری موجودہ نسل کسی غلط راستہ پر پڑ گئی ہے یا اس کی منزل کا کوئی سراغ نہیں لگ رہا ہے اور اقبال کی زبان میں، متاع کارواں بھی نہیں ہے اور احساس زیاں بھی نہیں ہے۔" میرے نزدیک پریشانی کی اصل بات یہ ہے کہ اس صورت حال کو ناپسند کرنے اور اس سے تکلیف محسوس کرنے اور اس چیلنج کو قبول کرنے اور اس کے خلاف صف آرا ہونے والا کوئی نہیں ہے اور یہ تو حالات کے مطابق ہوتا ہے کہ کیا کوئی فرد یہ خدمت انجام دے سکتا ہے یا جماعت۔ بہرحال جیسے بھی ہو اس صورت حال کو محسوس کر کے اسکے خلاف میدان میں اترنے والا اور اس سے آنکھیں ملانے والا کوئی نہیں۔

حضرات! جن لوگوں کی فلسفۂ تاریخ پر نظر ہے۔ اور آپ لوگوں میں کافی حضرات ہوں گے جن کا یہ موضوع ہو گا۔ اور انھوں نے انسانی تہذیب کے ارتقاء اور اس کی داستان پڑھی ہے اور مختلف ملکوں میں اس کے نشیب و فراز کا مطالعہ کیا ہے وہ حضرات تو اس سے پورے طور پر واقف ہوں گے کہ ایسا ہوتا ہے، ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا لیکن جو چیز انسان کو ایک طرف فرشتوں سے ممیز کرتی ہے اور دوسری طرف حیوانات و نباتات سے، وہ یہی چیز ہے کہ انسان خارجی حالات سے متاثر ہوتا ہے، لیکن میرے کہنے کی بات یہ ہے کہ صورت حال خواہ تشویشناک ہو لیکن جب تشویش محسوس نہ کرے، حالات کا مقابلہ کرنے والا، خم ٹھونک کر میدان میں آنے والا اور اس کے لئے اپنے ذاتی یا جماعتی مفادات کو خطرے میں ڈالنے والا کوئی موجود نہ ہو، یہ وہ چیز ہے جو کسی قوم و ملت کے بارے میں گہری مایوسی یا کم از کم گہری تشویش کی حد تک پہونچا دیتی ہے۔ ایسا بہت ہوا ہے کہ قومیں جانکنی میں مبتلا ہو گئی ہیں اور ان کے دن گنے جانے لگے ہیں اور زمانہ کے تیمار داروں اور نبض شناسوں کا ان کی نبض پر ہاتھ رہا ہے لیکن ہم نے بارہا تاریخ میں دیکھا ہے کہ قوم



اس نزع کی حالت سے نکل آئی ہے اور بالکل جواں سال زندہ اور تازہ دم قوم کی حیثیت سے میدان میں آ گئی ہے، وجہ یہی ہے کہ کوئی ایسا عنصر اس ملت میں ابھر کر آ گیا جس نے فیصلہ کیا کہ اس صورت حال کو زیادہ دنوں تک جاری رہنے کی اجازت نہیں دیگا۔

یا جاں زتن برآید یا تن رسد بجاناں

جب اس نے اپنی زندگی اور اپنے مفادات کو داؤں پر اور اپنے تعلقات کی دنیا کو صبر و ثبات پر لگا دیا کہ قوم و ملت کو دم توڑنے دیا جائے گا اور اس معاشرہ کو دم توڑنے اور اس شہر کو فنا اور خاکستر ہونے دیا جائے گا۔

### ملک و ملت اور تہذیب و تمدن کو تباہی سے صرف دو طبقے بچا سکتے ہیں:

یہ اصل میں کسی ملت، معاشرہ اور کسی تہذیب کی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے کہ اس کے اندر ایک صالح عنصر ایسا ہو جو ایسے موقعوں پر اپنی زندگی کو ملت کی زندگی پر اور انفرادی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کر دینے کے لئے تیار ہو، اور عام طور پر ہم نے دیکھا ہے اور تاریخ کے مطالعہ سے بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر دو طبقے ہوتے ہیں جن سے توقع کی جاتی ہے اور وہی انسانوں کی امیدوں کے پناہ گاہ ہوتے ہیں، اور یہی ایسے موقعوں پر سر سے کفن باندھ کر آتے ہیں اور زمانے کی کلائی موڑ دیتے ہیں تاریخ کے دھارے اور حالات کے رخ کو تبدیل کر دیتے ہیں اور کاتب تقدیر کے لئے ایک نیا مواد فراہم کرتے ہیں، پھر ملت یا معاشرہ کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ **یہ دو طبقے ہیں جو کسی ملت، کسی معاشرہ، کسی تہذیب و تمدن اور ملک کے آخری پناہ گاہ ہوتے ہیں، ایک دانشوروں کا طبقہ اور دوسرا مذہبی طبقہ۔ یہ دو طبقے ایسے ہیں جنھوں نے ڈوبتی ہوئی کشتیوں کو بچا لیا ہے اور ساحل تک پہونچا دیا ہے۔** اور ان تہذیبوں کو جو دم توڑ رہی تھیں ان کے اندر زندگی کا نیا خون دوڑا دیا ہے۔ اور جب بھی ایسا کوئی دور آتا ہے ملت یا معاشرہ کی زندگی میں تو اس کی نظر ہمیشہ ان دو طبقوں پر جاتی ہے، ایک دانشوروں کا طبقہ اور دوسرا مخلص مذہبی انسانوں کا طبقہ، میں "مخلص" کا لفظ جان بوجھ کر استعمال کر رہا ہوں، بے لوث، بے غرض غیر پیشہ ور مذہبی انسان۔ عیسائیت کی تاریخ میں اس کا بار بار نام آتا ہے اور اس کے بغیر یورپ کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی، میری مراد یہ نہیں کہ کوئی ایسا مذہبی طبقہ جو مذہب کا اجارہ دار ہو یعنی علماء و مشائخ کا کوئی نسلی یا موروثی طبقہ بلکہ بے لوث، غیبی حقائق، ایمانیات اور خدا کے پیغمبروں کی لائی ہوئی حقیقتوں اور صداقتوں پر ایمان رکھنے والا طبقہ جو اس کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہی اصل حقیقت اور یہی بنیاد ہے۔ یہ دو طبقے جو عام طور سے سب سے آخر میں گراوٹ کا شکار ہوتے ہیں اور جب ان میں بھی خرابی آ جاتی ہے تو پھر اس ملت اور تہذیب کو بچانے والی دنیا میں کوئی طاقت نہیں رہ جاتی۔ بڑی سے بڑی شہنشاہیاں اور طاقتور حکومتیں اگر چاہیں کہ اس تہذیب اور معاشرہ کو بچا لیں تو وہ نہیں بچا سکتیں اس لئے کہ یہ دو طبقے ہیں جن سے ملت یا معاشرہ کا اعتدال قائم رہتا ہے اور زندگی کے جو اصول ہیں وہ صحیح طور پر گردش کرتے ہیں اور فطرت صحیح طور پر کام کرتی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ بھی اپنا مقام چھوڑ دیں اور اپنے منصب سے ناآشنا ہو جائیں اور یہ بھی ساز باز کر لیں (مجھے معاف کیا جائے یہ لفظ ذرا سخت ہے) یا کم سے کم سمجھوتہ کر لیں اور یہ بھی اپنی جگہ تلاش کرنے میں لگ جائیں کہ اس بگڑے ہوئے ماحول میں ہماری جگہ کیا ہے اور یہ سمجھ کر کہ اس ملت یا اس تہذیب کی قسمت میں تباہی تو لکھی ہی ہوئی ہے اور اب یہ کشتی تو ڈوب کر رہے گی ہی، اس لئے ڈوبنے سے پہلے کچھ فائدہ اٹھا لیں اور اپنی خواہشات پوری کر لیں۔

**یہ دھن کسی قوم کے لئے بس قیامت ہوتی ہے، پھر اس قوم کو کسی مصنوعی تدبیر یا دنیا کی کسی بڑی طاقت سے بچایا نہیں جا سکتا۔ اگر دنیا کے سارے مصنف اور تمام فلاسفر جمع ہو جائیں اور حکومت کے سارے وسائل موجود ہوں تو بھی اس ملت یا تہذیب کو کوئی بچا نہیں سکتا، یہی دو طبقے ہیں جن سے انسانیت کی آس لگی رہتی ہے اور ہمیشہ ان دونوں نے ایسے نازک اور آڑے وقت میں دستگیری کی ہے اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچایا ہے۔**

### دانشور طبقہ کی خصوصیت:

کیوں؟ اس لئے کہ دانشور طبقہ ان خطرات سے آگاہ ہوتا ہے جو مفاد پرستی، نفس پرستی، مادیت پرستی، تنگ نظری، نسلی و خاندانی عصبیت، اقربا نوازی، کنبہ پروری اور اپنے ذاتی اور قومی مقاصد کو سامنے رکھ کر اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر دینے کے خطرات سے واقف رہتا ہے اور اس طبقہ کا مطالعہ، ذہانت، قوت فکریہ اور پھر اس کے علم کا شغف، اپنے مقصد سے عشق۔ یہ چیزیں ان کو ایسے موقعوں پر دوسروں کے بیدار ہونے سے بہت پہلے بیدار کر دیتی ہیں، اس لئے کہ اس نے انسانی تاریخ کو پڑھا ہے اور قوموں کے عروج و زوال کے فلسفے سے باخبر ہے۔ یہ طبقہ خوش قسمتی سے ملت اسلامیہ سے تعلق رکھتا ہے جس نے قرآن مجید کا گہرا، وسیع اور عمیق مطالعہ کیا ہے، اس نے قرآن مجید کے آئینہ میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و علل معلوم کئے ہیں، اس کو معلوم ہے کہ قومی خرابیاں جب کسی معاشرہ اور کسی اجتماعی نظام میں پیدا ہوتی ہیں تو اس کے نتیجہ میں کیا تباہیاں آتی ہیں۔

قرآن مجید نے کہا ہے۔ واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا.

دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے:۔ وكذلك جعلنا في كل قرية اكابر مجرميها ليمكروا فيها وما يمكرون الا بانفسهم وما يشعرون.

وہ جانتا ہے کہ کسی قوم میں نفس پرستی کا مرض جب پیدا ہو جاتا ہے، یا ذاتی اغراض دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں اور انسان بالکل اندھا بہرا بن جاتا ہے اور وہ صرف اپنے اندر کی پیاس بجھانا چاہتا ہے، اپنے محدود مفادات کے لئے پوری ملت، تہذیب اور پورے معاشرہ کو قربان کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو پھر کس طرح اس معاشرہ اور تہذیب کو ختم کر دینے کا فیصلہ خداوندی ہوتا ہے، اگر وہ ایمان کی روشنی رکھتا ہے اور قرآن مجید سے اس کا تعلق ہے تو اس کی تاریخ کا مطالعہ قرآن مجید کے مطالعہ سے مل کر ان دونوں کے اتحاد سے اس کے اندر ایک نئی روشنی پیدا ہوتی ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ اب اس ملت یا اس معاشرہ کو بچانے والی کوئی طاقت نہیں اس لئے کہ وہ ذہنی طور پر سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس وقت کیا آثار ہیں اور کونسا طوفان آنے والا ہے، وہ بہت پہلے سے سمجھ لیتا ہے کہ اس معاشرہ میں بگاڑ شروع ہو گیا ہے اور بگاڑ کا سرچشمہ کیا ہے اسی لئے وہ سب سے پہلے بے چین ہوتا ہے اور پھر اگر اس میں ہمت ہے تو وہ بے چین دوسروں کو بناتا ہے، اس لئے کہ بے چین ہونے کی فطری صورت میں اس کا جو رجحان ہے وہ یہ کہ بے چینی اسی کی ذات تک محدود نہ ہو بلکہ وہ دوسروں کو بھی بے چین بنائے اور اگر اس کے بس میں ہو تو اس کو جھنجھوڑ دینے کے لئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو جائے اور صور پھونک دے۔ اسکے اندر اسی کی خبر پر وہ صلاحیت ہوتی ہے جو عام لوگوں میں نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ان مفادات سے بالاتر ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے، اس کا مطالعہ اس کے اندر وہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ جن داموں عام افراد بک جاتے ہیں وہ ان داموں میں نہیں بک سکتا، **اگر علم یہ بات بھی پیدا نہ کرے تو پھر وہ علم حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں ہے، اگر علم وسعت شناسی پیدا نہ کرے اور اگر علم انسان کی حقیقت کو اس پر واضح نہ کرے تو وہ علم کہلانے کا مستحق نہیں۔**

علم کی تو فطرت یہی ہے کہ وہ انسان اور اس کی نگاہ کو بلند کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ مطالعہ میں کیا لذت ہے اور اپنے مطالعہ کے گوشے میں بیٹھ کر ایک انسان کس طرح بادشاہی کرتا ہے اور وہ کس طرح آسانی کے ساتھ تاج و تخت کو قربان کر سکتا ہے اور وہ کس طرح روزی، انعام، جاہ و منصب اور عہدے، کو حقارت سے ٹھکرا سکتا ہے

(جاری)

ہماری تہذیب کے تابندہ نقوش

# پیٹ کی حقیقت

از: مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم

مسلمہ بن عبدالملک عہد اموی کے بہت نامور سپہ سالار ہیں۔ طارق بن زیاد، محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم کی طرح مسلمہ بن عبدالملک نے بھی زبردست فتوحات حاصل کیں، بڑے خوش خوراک تھے، لذیذ سے لذیذ کھانے پکوانے کا خاص اہتمام تھا۔ ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں ان کا یہی رنگ رہا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو رعایا پروری کا نیا دور شروع ہوا ان کی کوشش تھی کہ سارے باشندگان ملک خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کریں، ظلم وستم کا نشان مٹ جائے اور حکومت کے بجائے عمال رعایا کی خدمت کو اپنا مقصد قرار دیں، اس طرز سیاست کو کامیاب کرنے کے لئے ضروری تھا کہ عمال اپنا معیار زندگی گھٹائیں کھانے پینے میں عیش ونشاط ان کا مقصود نہ ہو بلکہ اپنی کارکردگی کی صلاحیت باقی رکھنے کی غرض سے کم سے کم جتنے میں گذر ہوسکے اتنے ہی پر اکتفا کریں ہر وقت یہ پیش نظر رہے کہ اپنے آرام کے لئے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں اور لذت کام ودہن کے لئے کوئی ناجائز رقم پیدا کرنے کا خیال نہ کریں۔ اس بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی عمال حکومت کی زندگی پر پوری نظر رکھتے تھے۔

اس خیال کے مطابق انھوں نے مسلمہ بن عبدالملک کی جانب بھی توجہ کی چونکہ وہ ان کے قریبی عزیز تھے اس لئے انکی اصلاح دوسروں سے بھی زیادہ ضروری تھی ورنہ انکی معمولی لغزش دوسروں کے لئے خطاکاریوں اور زیادتیوں کا بہانہ بن جاتی اس بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بڑی فکر تھی کہ ان کا ذوق طعام بدل جائے اور زبان کی لذت کے بجائے صرف قدر ضرورت پر اکتفا کی عادت ہو جائے اس کے لئے وہ انھیں حکم دے سکتے تھے سرزنش کر سکتے تھے انھیں ہر طرح کا اقتدار حاصل تھا، جو بھی وہ حکم دیتے اس کی تعمیل ہوتی لیکن ایسا کرنا انھیں مناسب نہ معلوم ہوا کیونکہ جبر وقہر سے جو کام کرایا جاتا ہے وہ دیرپا نہیں ہوتا ہے، جہاں دباؤ ہٹا آدمی پھر بے اعتدالی کرنے لگتا ہے، جبر سے مستقل اصلاح ہرگز نہیں ہوسکتی صرف سخت ناگواری کے ساتھ آدمی کچھ عرصہ کے لئے اپنی روش سے باز آسکتا ہے، ایسی مصنوعی اطاعت سے عام دنیاوی حکومتوں میں بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ اسلامی حکومت میں جہاں حکومت کا مقصود صرف جسموں پر حکمرانی نہیں ہوتا بلکہ دلوں کی تبدیلی ضروری ہوتی ہے اس لئے مسلمان حکام کے لئے دلی خیالات میں تبدیلی بہت ضروری ہے ایسی تبدیلی جسے جبر کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔ اور اس کے لئے ایسی اصلاح ضروری ہے جو اصلاح نہ محسوس ہو بلکہ طبیعت ثانیہ بن جائے اس نقطۂ نظر کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمہ کے دل میں یہ بات اتار دیں کہ کام ودہن کی لذت کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتی آخر کچھ سوچ کر انہوں نے ایک دن مسلمہ کی دعوت کی اور کہلا بھیجا کہ صبح سویرے ہی سے ان کے پاس آجائیں دعوت کے لئے بہترین کھانوں کا انتظام کیا۔ طرح طرح کے گوشت پکوائے، قسم قسم کی نفیس چیزیں تیار کرائیں، جب مسلمہ ان کے پاس آیا تو انہیں مختلف قسم کے مشوروں اور کاموں میں دیر تک لگائے رکھا یہاں تک کہ بے آب ودانہ دوپہر کا وقت آگیا مسلمہ کا بھوک کی شدت سے برا حال تھا اور عمر بن عبدالعزیزؒ اس کیفیت کو محسوس کر رہے تھے لیکن قصداً دیر کرتے جارہے تھے کہ مسلمہ بھوک سے بالکل بے چین ہو جائیں جب آپ نے محسوس کیا کہ اب بھوک اپنی انتہا پر پہنچ چکی ہے تو انھوں نے ایک بڑا پیالہ بھر کر مسور کی ابلی ہوئی دال منگوائی اور ان کے سامنے رکھ کر فرمایا لو اب نوش کرو۔ بھوک نے پریشان تو کر ہی رکھا تھا، انھوں نے بیتابی کے ساتھ وہی ابلی ہوئی مسور کھانی شروع کر دی یہاں تک کہ ان کا پیٹ بھر گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب دیکھا کہ اب ان کے پیٹ میں کوئی گنجائش باقی نہیں ہے تو خادم کو حکم دیا کہ برتن لے جائے اس کے بعد ان انواع واقسام کے نفیس کھانوں کے حاضر کرنے کا حکم دیا جو ان کی دعوت کے لئے پکوائے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ کھانے دسترخوان پر چن دئے گئے، اب آپ نے مسلمہ سے کہا لو بھئی تمہاری مرضی کے کھانے آگئے ہیں، ابلی مسور سے تمہارا بھلا کیا ہوا ہوگا۔ اب ان پسندیدہ اور مزیدار کھانوں کو کھاؤ لیکن بیچارے مسلمہ پیٹ میں مسور بھر چکے تھے اب ان کے معدہ اور آنتوں میں اتنی گنجائش کہاں تھی۔ اس صورت حال کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اصرار کر رہے تھے اور وہ انکار، جب اصرار بہت بڑھا تو مسلمہ نے کہا کہ امیر المومنین بالکل پیٹ بھر گیا ہے اب ذرہ برابر بھی گنجائش باقی نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ یہی کہلانا چاہتے تھے ... یہ سن کر انہوں نے فرمایا مسلمہ! جب پیٹ کا یہ حال ہے کہ وہ ایسی معمولی غذا سے بھی بھر سکتا ہے تو پھر فضول، اسراف سے کیا فائدہ ہوگا جھوٹا کھا کر آدمی دوزخ سے بچ سکے تو زیادہ کی فکر کرکے اپنی عاقبت کیوں خراب کرے۔ افسوس ہے اس لذیذ کھانے پر جس کی چند منٹ کی لذت پر آدمی جنت جیسی دائمی نعمت اور ابدی راحت قربان کرے یہ الفاظ ایسے بموقع تھے اور اتنے خلوص سے ادا ہو رہے تھے کہ مسلمہ کے دل میں اتر گئے اور انھوں نے ساری زندگی کے لئے سادی زندگی اختیار کر لی اور کام ودہن کی لذت کے لئے ناجائز ذریعے سے دولت پیدا کرنے سے ہمیشہ کے لئے تائب ہوگئے۔

---

بقیہ ص ۹

نکال کر نجات کے کنارے لگا سکتے ہیں؟ کیا تم کو ایسے لوگوں سے یہ توقع ہے کہ وہ سیاست کی راہوں اور مغربی نصاب تعلیم کے ذریعہ امت اسلامیہ کو اصلی اقدار وقیم سے دور نہ کر دیں گے خدا اور رسول کی محبت دلوں سے نکال نہ دیں گے اور مسلمانوں کے اندر دین کے لئے جو جذبہ کارفرما ہے اس کا خاتمہ نہ کر دیں گے؟

آج افسوسناک بات یہ ہے کہ مادہ پرست مرقی پذیر یورپ امت مسلمہ پر فتح حاصل کرنے میں تقریباً کامیاب ہوگیا ہے اور اب وہ اس پوزیشن میں ہوتا جارہا ہے کہ وہ خدانخواستہ ان اسلامی طاقتوں کو بھی ختم کر دے جو مسلمانوں کی کامرانی ناتجمندی اور بلندیٔ اقبال کا ذریعہ بنتی رہی ہیں اور جن کی بدولت سنگین اور ناگفتہ بہ حالات میں قدیم مجد وشرف کی طرف واپسی ہوتی رہی ہے۔


# تعمیر حیات

کی

## خصوصی اشاعت

بیادگار

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی

مولانا محمد الحسنی ندوی

مولانا اسحٰق جلیس ندوی

یہ خاص نمبر شائع ہوگیا، اس ضخیم نمبر کی قیمت خریداروں کے لئے ساڑھے بارہ روپئے ہے۔ ڈاک خرچ دو روپے ۹۰ پیسے اسکے علاوہ ہیں۔

آج ہی یہ نمبر ہم سے طلب کیجئے، عام لوگوں کے لئے اسکی قیمت ۲۵ روپیے ہے۔




# جان پول سارٹر

# اور

# فلسفۂ وجودیت

از: مولانا سید محمد الحسنی ندوی مرحوم

عربی سے ترجمہ: محمد صدر الحسن ندوی

گذشتہ ہفتہ وجودیت کے مشہور فلسفی جان پول سارٹر کا طویل علالت کے بعد پیرس میں انتقال ہوگیا۔ جان پول سارٹر نے جہاں یورپ وامریکہ کے نوجوانوں کو متاثر کیا وہیں ان کی پیروی میں فیشن کے طور پر عرب نوجوانوں کو اس سے جذباتی تعلق ہوگیا اور عرب صحافت نے خاص مقصد کی بنا پر سارٹر کو غیر معمولی اہمیت دی یہاں تک کہ صدر ناصر نے سرکاری پیمانے پر اس کا استقبال بھی کیا۔

مولانا سید محمد الحسنی ندوی مرحوم نے اس وقت عرب نوجوانوں کی اس مرعوبیت پر سخت تنقید کی تھی اور سارٹر کے فلسفہ کا تجزیہ کرکے اس کی قلعی کھول دی۔

ذیل میں ہم مولانا سید محمد میاں مرحوم کی معرکۃ الآراء کتاب "الاسلام الممتحن" سے جان پول سارٹر پر لکھے گئے مقالے کی پہلی قسط کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

---

عصر حاضر میں فلسفہ وجودیت کے ادبی اور فکری رجحانات کو فرانس اور اس سے باہر سارے یورپ کے ادبی حلقوں اور بہت سے تعلیم یافتہ آزاد منش نوجوانوں کے درمیان کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے لیکن فلسفہ وادب کے اس میدان میں جان پول سارٹر کو اس کشتی کے دوسرے سوار مارسیل کے مقابلہ میں زیادہ ناموری اور شہرت حاصل ہوئی حالانکہ مارسیل کا شمار فلسفہ وجودیت کے چوٹی کے لوگوں میں ہوتا ہے اور وہ فلسفہ وجودیت میں ایک مستقل مکتب فکر کا بانی سمجھا جاتا ہے اس سے پہلے "اندریہ جید" نے عالمی تمثیلی ادب کے میدان میں ایک عظیم انشاء پرداز کی حیثیت سے عالمگیر شہرت حاصل کی تھی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں فلسفیوں کی عالمگیر شہرت کے کیا اسباب تھے جب کہ دوسروں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی کیا وجہ تھی جس نے "عرب دنیا"، کے بعض چوٹی کے لیڈروں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ان میں سے ایک کا سرکاری طور پر خیر مقدم کرے اور اسے پیغام تہنیت دے، آئندہ سطور میں ہم انہی سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کریں گے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ان کی کامیابی کی شاہ کلید اخلاقی اقدار واصول پر ان کی بھرپور تنقید ہے۔ اسی حقیقت کی کارفرمائی ہم ڈارون، فرائڈ اور اڈلر اور ان جیسے لوگوں کے یہاں پاتے ہیں۔

بہت ساری جگہوں پر سارٹر کے فلسفہ کے ڈانڈے فرائڈ کے فلسفہ سے جا ملتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے "زندگی"، "وجود" اور "نیستی"، کے اپنے اچھوتے نظریہ میں فرائڈ کے فلسفہ سے خوشہ چینی کی ہے، اسی طرح وہ کبھی اندریہ جید کے فلسفہ سے متاثر نظر آتا ہے جس نے اس سے پہلے معاشرتی اخلاقی قدروں سے مکمل آزادی اور چھٹکارا حاصل کرنے کی دعوت دی تھی، اس نے ان دونوں کے خوان فلسفہ سے خوشہ چینی کرکے اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا اور اس کا فلسفہ ٹھیک "کریلا نیم چڑھا"، کی زندہ مثال بن گیا۔ اس کے اضافہ کردہ مبہم غیر واضح افکار ونظریات کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے ذہن میں ٹھہراؤ نہیں ہے اور نہ وہ کسی نتیجہ اور فکر پر مطمئن ہوتا ہے۔ وہ بھی فرائڈ کی طرح اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ "جنسی جذبات" ایک طویل تبدیلی کا نتیجہ ہیں اور اس کی جڑیں انسان کی سرشت میں بہت گہری ہیں جو اس میں زمانہ طفولیت سے چلی آرہی ہیں اور اس کی کارفرمائی تمام انسانی روابط وتعلقات میں نظر آتی ہے لیکن وہ اس میں اضافہ کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ، "جنسی جذبات" کے عوامل صرف جنسی قوتیں اور اس کے اسباب ہی نہیں ہیں بلکہ انسان کے اندر پوشیدہ وجودیت کا رجحان بھی ہے۔

اوبار نے کھلے طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سارٹر اپنے ہم وطن فرانسیسی انشاپرداز اندریہ جید سے بہت زیادہ متاثر ہے اور اس نے اس کے فلسفہ سے اخلاقی اقدار اور خیر وشر کا مفہوم اخذ کیا ہے وہ بھی اندریہ جید کی طرح اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ تمام قدریں اضافی ہیں ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے اور یہ کہ بغیر کسی استثناء کے انسان ہی ان قدروں کا بروئے کار لانے والا یا اس کا خالق ہے اسی طرح وہ جرمنی کے وجودی فلسفی ہیڈیگر سے بہت زیادہ متاثر ہے جس نے باطنیت اور الحاد وبے دینی میں ربط پیدا کرنے کے میدان میں شہرت حاصل کی ہے۔ لیکن مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ فکری طور پر سب سے زیادہ فرائڈ کے مکتب فکر کا خوشہ چیں ہے اس کا اعتراف خود میز لیارنس نے کیا ہے جس نے اس کی شہرۂ آفاق کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

اور وہ اس کا بہت زیادہ مداح بھی ہے۔

اس کی عالمگیر شہرت کا واحد سبب یہ ہے کہ اس نے نوجوانوں کے لئے شہوت رانی کی وجہ جواز پیدا کر کے اسے علم وفلسفہ اور افسانہ وادب کے خوشنما غلاف میں پیش کیا ہے اب ہم ذیل کی سطروں میں ان بنیادی نظریات کا جائزہ لیتے ہیں جن پر فلسفہ وجودیت کی بنیاد قائم ہے۔

فلسفہ وجودیت کے ہمنواؤں کے نزدیک ایمان باللہ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس لئے کہ انسان جب کسی برتر طاقت وحکمت کی کارفرمائی اور بالاتر سرچشمۂ قوت اور ایک اعلیٰ نگراں کی حقیقت تسلیم کرے گا تو ناممکن ہے کہ اس کے وجود کی کوئی مستقل حیثیت باقی رہے اور وہ اپنی ذات یا اللہ کے حکم کے بغیر کسی کام کی ذمہ داری قبول کرنا اور اپنے افعال واعمال میں کسی کا پابند ہونا، یہ تمام ایسی حقیقتیں ہیں جو ایک مدبر اور خالق کے وجود کی نفی کرتی ہیں، اسی حقیقت کی جانب میز لیارنس نے سارٹر کی کتاب "وجود اور نیستی" پر اپنے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔

سارٹر نے لیبنیز کے تصور حریت پر سخت تنقید کی ہے، اس کا تصور حریت یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک خاص جوہر ودیعت فرما کر اسے مکمل آزادی دے دی ہے کہ وہ اس جوہر کے تقاضے کے مطابق اپنی روزمرہ کی زندگی میں تصرفات کرتا رہے"۔ یہ نظریہ فرقہ قدریہ کے نظریہ کے بہت کچھ مشابہ ہے جو اللہ کی ذات کو قدرت وصفات سے عاری تصور کرتا ہے، سارٹر اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے "اس حریت کو کسی بھی حال میں حریت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ایک خاص صلاحیت ودیعت کر رکھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندگی کی ایک خاص سمت کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو اس وقت انسان کی زندگی ایک مخصوص چھاپ کی مرہون منت ہو جائے گی"۔

وہ اس بات کی پرزور وکالت کرتا ہے کہ ایمان باللہ حریت کی راہ کی ایک بڑی رکاوٹ ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسان کے اندر بالاتر ہستی کے امر ونہی کا ایک کرن بھی نہ پائی جائے کیونکہ اس سے انسان کی حریت متاثر ہوتی ہے۔

وجودی فلسفہ فکر کے متبعین اللہ کے

وجود پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ کسی ایسے اخلاقی نظام کے قائل ہیں جس کے دامنِ امن اور گہوارہ عاطفت میں انسانیت پناہ لے سکے۔ ان کے نزدیک بیک وقت انسان "آزاد" اور "جوابدہ" دونوں ہے لیکن وہ جوابدہ اپنی ذات کے سامنے ہے نہ کہ خدا کے سامنے، وہ لوگ نہ تو عقل و روح کی حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ اپنی ذات اور خدا پر یقین رکھتے ہیں، اسکے الفاظ ہیں "انسان افعال کا مجموعہ ہے اور یہ افعال اس کے وجود کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں" وہ انسانی زندگی میں نظم و ضبط کے قائل نہیں ہیں اس لئے کہ وہ انسان کی مکمل آزادی کے منافی ہے بلکہ وہ اپنی زندگی صرف اپنے وجدان و عقل کے اشاروں پر گذارتا ہے، چاہے اس کی جو بھی شکل ہو اور چاہے اس سے انسانیت کو شدید ترین نقصان ہی کیوں نہ پہونچے۔

اب ہم وجودی مکتب فکر کے دوسرے نظریہ کو پیش کرتے ہیں جس کی ان کے یہاں بہت زیادہ اہمیت ہے اور جو سارتر کے خیر و شر، اخلاقی اقدار اور ان کے باہمی تعلقات سے متعلق نظریہ کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ اس فکر کو اگر ہم ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ "ہمارے زوال و ناکامی اور غلطیوں کا مستقل کوئی وجود نہیں بلکہ ان کا وجود صرف اعتباری اور اضافی ہے، دوسروں کی وجہ سے ہم اسے غلطی سمجھتے ہیں، اگر یہ لوگ نہ ہوتے یا اپنی ذات کے علاوہ کوئی خارجی دنیا نہ ہوتی تو ان غلطیوں کی کوئی حقیقت نہ ہوتی، اس نظریہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے "میں دوسروں کو دیکھتے ہوئے مجرم ہوں"۔ دوسری جگہ یوں رقمطراز ہے۔

"ہم لوگ اس دنیا میں بے کس و مجبور ہیں کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کا وجود طبعی طور پر ایک دوسرے کے وجود میں چار و ناچار دخل انداز ہوتا ہے اس لئے ایک دوسرے کا احترام اور ایک دوسرے سے شرم و حیا اور اس طرح کے دوسرے قدروں کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اس سے ہماری اس آزادی میں رخنہ اندازی ہوتی ہے جس کا ہمیں پاس ہے"۔

اور اس کو ایک مثال کے ذریعہ یوں سمجھاتا ہے،

"ایک نظام تعلیم و تربیت طلبا کو مناسب اور صحت مند قدروں کے اپنانے پر مجبور کرتا ہے اور ان کی تعیین اور مخصوص مقاصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے، وہیں پر ایک دوسرا نظام تعلیم ہے جس میں اس کی بہ نسبت زیادہ لچک اور توسع ہے اسلئے وہ سختی اور دباؤ کے ان طریقوں کا استعمال نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود وہ طلباء کے لئے متعین اغراض و مقاصد کی راہ ہموار کرتا ہے، حالانکہ ترغیب، خطرات کے اعتبار سے خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کرنے سے کسی طرح کم نہیں، اسی طرح دوسروں کی آزادی کے احترام کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں اس لئے کہ اس سے ہماری مطلوبہ اور دل پسند آزادی متاثر ہوتی ہے"۔

"فلسفہ وجودیت" اور اسکے بعض بنیادی عناصر کا یہ نچوڑ ہے جسے میں نے سطور بالا میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اسی فلسفہ کو وہ "وجود اور نیستی" سے تعبیر کرتے ہیں اور زیادہ تر ان کی بحثیں "وجود ذاتی" اور "وجود غیر ذاتی" سے متعلق ہوتی ہیں۔

لیکن ان بحثوں میں جس چیز کی چھاپ نمایاں نظر آتی ہے وہ یاس و قنوط، انتشار و بے چینی اور نفرت و بدخیالی اور اپنے وجود کی صحیح طور پر تشریح نہ کرسکنے کا ہیجان لیوا احساس ہے۔ اس لئے کہ بے مہار "آزادی" کی راہ میں اس زمین کے دوسرے بسنے والے حائل ہوتے ہیں، اسی طرح اس عظیم ذمہ داری کا احساس جس کی تکمیل کا انھوں نے بیڑا اٹھا رکھا ہے، جب وہ اس آزادی کے شیش محل کو زبردست روحانی خلا، اخلاقی اقدار کی پامالی اور ملک و خاندان اور قبیلہ کے افراد کی، معاملات میں دست اندازی کے ذریعے چکنا چور ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اس مایوسی و ناکامی اور عزلت و تنہائی کی کیفیت کو فلسفہ و ادب کے مبہم، متضاد اور لاجواب سوالات کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ ایسے حقائق ہوتے ہیں جسے کوئی بھی صحیح عقل اور صحت مند فطرت تسلیم نہیں کرسکتی اور اس پر طرفہ یہ کہ سوالات کے جوابات دینا خود ان کے لئے پریشانی کا باعث ہوتا ہے جسے وہ مستقبل کے لئے انتظار کہتے ہیں اور جس کا اس نے اپنی کتاب کے آخر میں اعلان بھی کیا ہے۔

وہ لوگوں کو ہر قید و بند سے ناآشنا مکمل اور دائمی "آزادی" کی دعوت دیتا ہے پھر دوسروں کے وجود سے اسپر قدغن لگتا ہے پھر وہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑتا ہے جس میں وہ بے چینی و گھٹن اور بے چارگی کی زندگی گذارتے ہیں، ایسی زندگی جس میں دو وجود کے درمیان عداوت و نفرت یا جور و جفا کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔

(باقی آئندہ)

## غزل

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

غیروں کے بھی جُرموں کی سزا میرے لئے ہے
کیا بس یہی پاداشِ وفا میرے لئے ہے

ہر ظلم و ستم جور و جفا میرے لئے ہے
اے دوست کچھ اس کے بھی سوا میرے لئے ہے

کیا خوب کہ ڈھائیں وہ ستم جتنا بھی چاہیں
اور سارا یہ آئینِ وفا میرے لئے ہے

ہیں لالہ و گل، سرو و سمن سب ہی تمہارے
گلشن کی فقط گرم ہوا میرے لئے ہے

پہروں مرے انجام پہ رویا کیا قاتل
کیا اس سے بڑی کوئی سزا میرے لئے ہے

کرتا ہوں محبت کہ فنا ہونے نہ پاؤں
دراصل محبت ہی بقا میرے لئے ہے

جب لُطف ہے اللہ کہے خود کہ یہ بندہ
ہر حال میں راضی بہ رضا میرے لئے ہے

آنکھوں سے پلاتا ہے مجھے بادۂ عرفاں
ساقی کی یہ مخصوص عطا میرے لئے ہے

جوہر کی غزل پہ ہے طفیل اپنی غزل بھی
شاید کہ بزرگوں کی دُعا میرے لئے ہے

نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان خاں ندوی

مجلس ادارت
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات و شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔



# امتِ مسلمہ کی وہ طاقت جو ان کی ہر طاقت سے عظیم رہی ہے

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (صدر شعبۂ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء)

پچھلے پچاس برسوں میں امت اسلامی نے اپنی نفسیاتی اور انسانی طاقت کا ایک ایسا جز گنوایا ہے جو ان کے ماضی کی تاریخ کے تمام ادوار میں ان کے پاس محفوظ رہا تھا ان کی طاقت کا یہی جز ان کی عظیم طاقت کی بنیاد اور کلید تھی جس کے ذریعے وہ ہر باہری حملہ کا مقابلہ کرتی تھی اور اسی طاقت کی کارفرمائی تھی کہ مسلمان اپنی امت اور اپنے عقیدے کی بنا پر خارجی طاقت اور فوجی مشن کے مقابلے میں کوہ گراں ثابت ہوتے تھے۔ یہ طاقت اتنی زبردست تھی کہ جب سے اسلام کا آفتاب عالم تاب اس عالم وجود اور اس کائنات میں طلوع ہوا اس وقت سے لے کر آج تک دشمن اور اغیار خوف کھاتے رہے ہیں اور ہمیشہ اس طاقت کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے رہے مسلمانوں نے اسی طاقت کی بدولت خیر و بھلائی، جاہ و عزت، شان و شوکت قوت و دبدبہ اور وقار و احترام حاصل کیا، اور لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئے۔

یہ بیش بہا اور عظیم طاقت جسے مسلمانوں نے کھو دیا وہ ہے اسلامی اقدار پر مضبوط اور غیر متزلزل ایمان و یقین اور اسلام کے بھیجنے والے اور لانے والے یعنی خدا اور رسول سے مخلصانہ محبت اور وفاداری، تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ مسلمانوں کا ظہور اسلام کے وقت سے ہی محبت کے ان دونوں مرکزوں سے قلبی تعلق اور دلی ربط رہا ہے اور اسی طاقت نے ان کے اندر ایسا جذبہ اور قلبی رابطہ پیدا کیا کہ وہ جس قدر بھی اسلام کے اوامر کی تعمیل سے دور رہے ہوں، اس کے احکام پر عمل میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہوں اور اس کے تقاضے پورا کرنے سستی و کاہلی میں مبتلا ہوئے ہوں لیکن کسی بھی حال میں ان کا رشتہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین اسلام سے کمزور نہیں ہونے پایا، چنانچہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت جو ان کے دلوں میں پائی جاتی ہے وہی وہ چیز تھی جس کو سب سے آخر میں زوال آسکتا تھا، اور یہی ان کی وہ خصوصیت اور خوبی تھی جس کی وجہ سے مسلمان ہمیشہ ممتاز اور نمایاں رہے ہیں اور اسی سے انکے دشمنوں اور دوستوں نے یکساں طور پر ان کو جانا اور پہچانا ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جب تمام دوسرے ذرائع و وسائل ناکام اور بے سود ثابت ہوجائے تو اس وقت بھی وہ واحد طاقت ہوتی جس کا قائدین اور زعماء سہارا لیتے اور امت اسلامیہ کو اسلام اور اس کے مقدس مقامات اور شعائر کی مدافعت کے لئے ثابت قدم بناتے۔ یہ طاقت تاریخ اسلامی کے تاریک ترین ادوار میں پیش آنے والے دشوار حالات میں ظاہر ہوئی اور مسلمان قائدین نے سنگین حالات میں اس سے فائدہ اٹھایا۔ اس کی روشن مثال وہ کامیاب معرکہ جو فلسطین کے مقام حطین میں پیش آیا جس کی قیادت عظیم مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے کی۔ اس وقت عرب اقوام کی حالت آج سے بہتر نہ تھی، ان کا شیرازہ منتشر تھا انتشار و پراگندگی اور اختلافات کے شکار تھے اور اسلامی تعلیمات سے بھی دور رہتیں، لیکن اسلام کے نام پر مرمٹنے کا جذبہ ان کے اندر موجود تھا اور وہ اپنے کو اسلام کا وفادار کہتے تھے چنانچہ وہی قوم جو مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹی ہوئی تھی، ایک مضبوط امت بن گئی اور منتشر اکائیوں سے بدل کر ایک طاقتور اور ٹھوس اکائی ہوگئی۔ ایسی اکائی جس کی سخت چٹان پر مغربی صلیبی اسلام دشمن اکائیاں پاش پاش ہوکر رہ گئیں، سوال یہ ہے کہ آخر طاقت یہ عزم و استقلال مسلمانوں کے اندر کہاں سے آگیا، اور اس کمزور اور پست قوم کے اندر یہ عزم و اتحاد کہاں سے پیدا ہوا جس کی وجہ سے وہ ایک کمزور امت سے ایک مربوط اور مضبوط و ناقابل شکست قوم بن گئی، یہ سب کچھ آخر کیسے ہوا؟ بلاشبہ اس طاقت کا سرچشمہ اسلامی اقدار پر ایمان راسخ اور عظیم ایمانی منبع سے محبت اور خلوص کے ساتھ لگاؤ تھا، اسی بنیاد کو اسلام کے جانباز مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسلم اقوام اور عالم عرب کے لوگوں میں زندہ اور تابندہ کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی مسلمانوں کی پوری پچھلی تاریخ میں معنوی طاقت کا یہ چشمہ برابر فیض رسانی کرتا رہا جس وقت دوسرے تعلقات ختم ہوجاتے تھے اس وقت اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی ان کو آپس میں جوڑتا تھا ہمیشہ اس تعلق کی بنیاد پر ان میں استقلال اور ثابت قدمی پیدا ہوئی اور اسلام دشمن طاقتیں اس خطرناک پہلو اور ان پوشیدہ صلاحیتوں سے لرزاں و ترساں رہی ہیں۔

یہ خوف اور یہ خطرہ اس صدی کی چھٹی دہائی تک دشمنان اسلام کے دلوں میں باقی رہا ان کے نزدیک خوفناک ترین نعرہ "اللہ اکبر" کا تھا۔ اس خوف اور احساس کا عالم یہ تھا کہ کمزور اور طاقتور بھی دشمنان اسلام ڈرتے رہتے تھے اور مسلمانوں نے اس نعرہ کا خوب فائدہ اٹھایا اور ایک مدت دراز تک جب تک اسلامی اقدار پر ان کا ایمان راسخ رہا اور تعلق مع اللہ والرسول باقی رہا اس نعرہ سے مستفید ہوتے رہے لیکن جوں جوں اس ایمان اور تعلق میں ضعف ہوتا گیا اسی قدر آہستہ آہستہ مسلمان اس کے فائدے سے محروم ہوتے گئے اور ان کا نعرہ بھی رفتہ رفتہ کھوکھلا اور بے اثر ہوگیا۔ اسی لئے جب دشمنوں کو اندازہ ہوگیا کہ اب ان کے نعروں اور تکبیروں میں جان باقی نہیں رہی اور یہ لوگ محض گفتار کے غازی ہیں کردار کے غازی نہیں رہے تو ان کے دلوں سے جہاد کی ہیبت دور ہوگئی اور تکبیروں کا خوف جاتا رہا۔ بلاشبہ امت مسلمہ کی تاریخ کا یہ ایسا زبردست خسارہ ہے اور ایسا نقصان جس کے مقابلے میں بڑے سے بڑے نقصانات کوئی حقیقت نہیں رکھتے اسی سبب سے اسلام کا رعب و دبدبہ اور مسلمانوں کی شوکت و سطوت اغیار کے دلوں سے نکل گئی حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے آج کی تعداد عہد اول کی تعداد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ ان کی حکومت اور سلطنت آج دنیا کے بڑے حصہ پر ہے۔ اور اسلامی مملکت دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے اس کے پاس مادی اور موثر اور نتیجہ خیز طاقتیں پہلے کی بہ نسبت بحمداللہ کہیں زیادہ ہیں لیکن نفسیاتی اور شعوری میدان میں نہ ان کا کوئی اثر ہے نہ زور نہ دشمنوں کے دلوں میں ان کی کوئی قیمت ہے مسلمانوں کی تعداد کہنے کو اب ایک ارب کے قریب پہنچ رہی ہے لیکن مجھے میری اس بات کے لئے معاف کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کی حقیقت سیلاب کے خس و خاشاک کی سی ہے۔

آج مسلمانوں کے اندر سے وہ روح نکل گئی ہے جس سے کسی زمانے میں وہ دشمنوں پر غالب اور کامران ہوتے تھے بس جسم ہے اور انسانی ڈھانچہ، لیکن اگر روح نہ ہو تو جسم خواہ کتنا ہی فربہ اور مسلح ہو کیا سود مند ہوگا؟

اغیار کی نظریں ہمیشہ مسلمانوں کی اسی نمایاں صفت پر رہی ہیں اور ان کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ان کے اس عظیم جوہر اور بیش بہا طاقت اور امتیازی صفات سے ان کو دور کردیا جائے لیکن پچھلی صدیوں میں ان کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر موجودہ صدی میں ملحدانہ ثقافت اور فاسد تمدن کو پروان چڑھتی ہوئی نئی نسل پر دلکش اور پرکشش نعروں کے ذریعہ مسلط کرکے اور ان کی نفسیاتی اور ذہنی تربیت ایسے انداز سے کرکے کہ وہ ہر قدیم چیز سے متنفر اور اپنے ماضی کے ورثہ سے برگشتہ ہوجائے دشمن طاقتوں کو اپنے ناپاک ارادوں میں تقریباً کامیابی حاصل ہوگئی ہے۔

یورپ نے پوری کوشش اس بات پر صرف کردی کہ ایسے لوگ تیار کئے جائیں جن کا تعلق اپنی امت اور اس کی روشن تاریخ سے رابطہ صرف قومیت کی بنیاد پر قائم ہے۔

کیا ہم توقع کرسکتے ہیں کہ وہ مسلم لیڈر اور کارندے جنھوں نے یورپ کی آغوش میں تربیت پائی ہے وہ اسلامی کشتی کے ناخدا بن سکتے ہیں اور کیا اس کشتی کو بھنور سے

(بقیہ صفحہ پر)

# قاضی محمد عدیل عباسی کا عظیم کارنامہ اور بہترین یادگار

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

راقم سطور ہندوستان سے باہر تھا جب قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔ ہندوستان پہنچتے ہی دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کے لئے جو ۲۱، ۲۲، اور ۲۳ مارچ کو منعقد ہو رہا تھا دیوبند کے لئے روانہ ہو گیا اس سے فراغت کے بعد ۲۴ مارچ کو جب لکھنؤ پہونچا تو ہوائی اڈے پر اچانک اس روح فرسا حادثہ کا علم ہوا۔ غالباً عزیزوں اور دوستوں نے دوران سفر اس تعلق کی بنا پر جو میرے اور قاضی صاحب کے درمیان تھا اس حادثہ کی اطلاع دینے میں احتیاط برتی اس لئے مجھے غیر معمولی تاخیر کے ساتھ اس کا علم ہوا۔ ندوۃ العلماء میں ان کثیر التعداد عرب اور غیر ملکی مہمانوں کی آمد کی وجہ سے جو دیوبند سے فارغ ہو کر ندوہ دیکھنے کے لئے لکھنؤ آ رہے تھے اور ان کی آمد اور قیام کا سلسلہ کئی ہفتہ جاری رہا، میں قاضی صاحب کی وفات پر اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار بروقت نہ کر سکا اور اب بڑی تاخیر کے ساتھ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں۔

قاضی صاحب ہمارے اس عہد کے ان باکمال افراد میں تھے جنھوں نے اس عہد اور تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم و عمل، قول و فعل دین و سیاست جدید و قدیم اور تقریر و تحریر کی وہ متضاد صلاحیتیں جمع کر دی تھیں جو اسی دور کے نہیں بلکہ ہر دور کے اکثر باکمال افراد میں متفرق و منتشر ہوتی ہیں۔ وہ ایک طرف جدید تعلیم کا اعلیٰ نمونہ، انگریزی زبان پر قدرت رکھنے والے، اچھے قانون داں اور اپنے پیشے کے لحاظ سے کامیاب وکیل تھے۔ دوسری طرف نہ صرف مذہبی فرائض کے پابند اور ایک دیندار خاندان کی صالح اور صحت مند روایات کے حامل تھے بلکہ ایک نہایت غیور اور باحمیت مسلمان بھی تھے جو دین کا درد اور ملت کی ایسی فکر رکھتا تھا جو دل و دماغ اور اعصاب پر حاوی تھی۔

## دینی حمیت:

اسی دینی حمیت اور ملت کی فکر مندی نے ان کو ۶۰-۱۹۵۹ء میں اپنے شہر بستی میں اس عظیم الشان دینی تعلیمی کانفرنس کے انعقاد پر آمادہ کیا جس کے نتیجہ میں دینی تعلیمی کونسل کی جیسی مبارک تنظیم کا وجود عمل میں آیا جس سے زیادہ ٹھوس مفید اور تعمیری تحریک اور جد و جہد ادھر ایک طویل عرصہ سے مسلمانان ہند کی تاریخ میں وجود میں نہیں آئی واقعہ یہ ہے کہ قاضی صاحب ہی کے اس درد و فکر مندی نے جو ہندوستانی مسلمانوں کی نئی نسل کے بارے میں ان کو بے چین کئے ہوئے تھی۔ بیسیوں علماء و اہل دین کو تڑپایا اور ان کو ان کے گوشۂ عزلت سے باہر لے آئی۔ خود اس ناچیز کا شمار بھی انھیں لوگوں میں ہے اور وہ قاضی صاحب کے اس احسان کو مدت العمر نہیں بھول سکتا۔

## تاریخ ساز شخصیت:

وہ کہنہ مشق صحافی پختہ کار مصنف اور دیدہ ور مورخ بھی تھے انھوں نے ایک عرصہ تک مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے دور میں ان کے شہرۂ آفاق اخبار "زمیندار" میں کام کیا تھا۔ ان کا قلم اتنا منجھا ہوا تھا کہ وہ کسی وقت بھی اہم سے اہم موضوع پر برجستہ لکھنے پر قادر تھے۔ اگر وہ تصنیف و تالیف کا میدان اختیار کرتے تو بڑے بلند پایہ مصنف ہو سکتے تھے لیکن انھوں نے تاریخ نویسی پر تاریخ سازی کو ترجیح دی اور عمر بھر ایک سر پھرے ملاح کی طرح ملت کی کشتی کو بچانے اور ساحل پر لے جانے کے لئے غضبناک موجوں سے لڑتے اور حالات سے مقابلہ کرتے رہے۔ جنگ آزادی کے وہ ایک آزمودہ کار سپاہی تھے۔ وہ ہمیشہ ملک کی آزادی کے لئے جد و جہد کرنے والے قائدین اور فرقہ پرست جماعتوں سے لڑنے والے رہنماؤں کے ساتھ رہے۔ وہ برسوں اپنے صوبہ کی اسمبلی کے ممبر رہے۔ اگر ان کا ضمیر قانع رہتا اور وہ ذاتی سربلندی و کامیابی حاصل کرنا چاہتے تو اس راہ سے بڑے سے بڑے اعزاز تک پہونچ سکتے تھے لیکن انھوں نے ایثار و قربانی سے کام لیا اور ملت کی خاموش خدمت کو حکومت کے منصبوں اور میدان سیاست کی عزتوں اور شہرتوں پر ترجیح دی اور بستی کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دینی تعلیمی کونسل کی توسیع و استحکام، دیہات دیہات، قصبہ قصبہ مکاتب کے قیام اور دوسری طرف مسلمانوں کو نئے نظام تعلیم اور حکومت کی بدلتی ہوئی تعلیمی پالیسیوں اور محکمۂ تعلیم کے ذمہ داروں اور کارکنوں کی فرقہ وارانہ ذہنیت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مستقبل کے خطرات سمجھانے اور خود حکومت کو اس نان سیکولر (NON - SECULAR) تعلیمی پالیسی کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرنے کا خاموش کام شروع کیا۔

اپنے پیشے کی بڑھی ہوئی مصروفیت سے جو کچھ وقت بچتا تو اس کو تاریخی و ادبی موضوعات پر لکھنے میں صرف کرتے۔ اگر وہ کسی مرکزی شہر یا کسی بڑے علمی ثقافتی و تصنیفی ادارہ سے تعلق رکھتے تو اس سے زیادہ کام کر سکتے اور نام پیدا کر سکتے تھے جتنا انھوں نے محض اپنی ذاتی قابلیت اور خلوص سے پیدا کیا۔

## دینی تعلیمی کونسل:

دینی تعلیمی کونسل ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جس کی انھوں نے اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور جس کی افادیت و اہمیت و ضرورت روز بروز بڑھے گی اور شدت سے محسوس کی جائے گی۔ اب جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو ہمارا اور بھی زیادہ فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور اس کی ترقی دینے کی کوشش کریں کہ یہ ان کی عزیز ترین یادگار ہے اور اس سے ان کی روح کو حقیقی شادمانی حاصل ہوگی دوسرے یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور اس کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا دینی مستقبل اور ان کی آئندہ نسلوں کا ایمان اور اس کے اسلامی عقائد اور اس کی ثقافت و تہذیب سے وابستگی خطرہ میں ہے۔ میری تمام دردمند مسلمانوں سے پرزور اپیل ہے کہ وہ دینی تعلیمی کونسل کے کاموں کو آگے بڑھنے کی کوشش کریں، اس کی شاخوں اور ضلعی مرکزوں کو وسیع کرنے اور اس کے قائم کردہ مکاتب کو جس میں لاکھوں بچے زیر تعلیم ہیں مضبوط و منظم کرنے کی فکر کریں اور خاص طور پر جنگی فنڈ کو جو خالص قاضی صاحب کے ذہن و تجربے کی پیداوار تھی اور جس نے اس طویل و عریض تعلیمی نظام میں اکسیر کا کام دیا ہے باقی رکھنے کے لئے جد و جہد کریں۔

---

بقیہ ص ۱۳

کہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد بیس تیس لاکھ ہے۔ روسی صوبہ کریمیا کی مسلم خاتون رہنما مادام عائشہ سیرقوت جو نومبر ۱۹۷۸ء سے نیویارک میں جلا وطنی کی زندگی گذار رہی ہیں۔ تفصیل سے روس اور خصوصاً کریمیا کے صوبہ کے مسلمانوں کی حالت زار پیش کی، اور کہا کہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض اور ثقافت پر عمل کرنے تک سے روک دیا گیا ہے۔

کانفرنس نے ہندوستان کا تذکرہ خاص طور سے کیا ہے اور کہا ہے کہ وہاں مسلم اقلیت مستقل تکلیف دہ حالات سے بہت پریشان ہے۔ کانفرنس نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار کے سلسلہ میں پیش رفت نامکمل اور غیر تسلی بخش ہے۔ کانفرنس نے حکومت ہند پر زور دیا ہے کہ صورت حال کو سدھارنے اور دنیا میں دوسری سب سے بڑی مسلم آبادی کے جائز حقوق اور شخصی سلامتی کا تعین کرنے کی بابت فوری توجہ دے۔

کانفرنس میں انڈین مسلم لیگ کے صدر ممبر پارلیمنٹ مسٹر ابراہیم سلیمان سیٹھ نے ایک تحریر پیش کی جس میں کہا گیا ہے کہ موجودہ حکومت جو مسلمانوں کی زبردست حمایت سے وجود میں آئی ہے ایسی پارٹی کے وعدوں کی تکمیل کرے گی اور ہم ایک نئے اور اچھے رخ کی توقع کرتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ ہندوستان میں ۱۲ فیصدی مسلمان گزشتہ ۳۰ سال سے اپنے حقوق کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں انھوں نے الزام عائد کیا کہ تصادموں میں ہر سال سیکڑوں مسلمان ہلاک ہوتے ہیں اور ان کی معاشی حالت بہت خراب ہو چکی ہے ان کے پرسنل لا، ان کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسے تعلیمی اداروں اور ان کی زبان اردو پر حملے کئے جا رہے ہیں۔

---



# سعودی عرب اور برطانیہ کے درمیان سفارتی تعلقات منقطع

## "شہزادی کی موت" نامی فلم پر سعودی حکومت کا سخت ردعمل

## برطانوی ٹی۔ وی کی شرانگیز، توہین آمیز اور مبنی بر مخاصمت اسلام دشمن فلم

محمود الازہار ندوی

ماہ گذشتہ سے برطانیہ اور سعودی عرب کے درمیان چلی آ رہی کشیدگی اس وقت نقطۂ عروج پر پہونچ گئی جب سعودیہ نے سفارتی تعلقات توڑ لئے۔ دونوں کے تعلقات "شہزادی کی موت" نامی فلم جو برٹش ٹی۔ وی پر دکھائی گئی تھی سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ اور سعودی عرب نے برطانیہ سے سخت الفاظ میں احتجاج کرتے ہوئے سفارتی تعلقات توڑنے کی دھمکی دی تھی نیز اس نے تیل کی برآمدات معطل کرنے اور کروڑوں پونڈ کے ٹھیکے منسوخ کرنے کی جب بات کہی تب جاکر برطانیہ کے دماغ ٹھکانے پر آئے تھے۔

دو سال قبل سعودی شہزادی اور اس کے محبوب کو بدکاری کے الزام میں شرعی قانون کے مطابق سزائے موت دی گئی تھی اس وقت بھی برطانیہ کے ذرائع ابلاغ اور اخباروں نے اس کو جور و ستم اور ظلم سے تعبیر کیا تھا اور اس کو شرانگیز بناکر پیش کیا تھا اور اسلام اور مسلمان خاص طور سے سعودی عرب جہاں اسلامی قوانین نافذ ہیں کو مسخ کر کے پیش کیا تھا اگرچہ بعد میں دوسرے ذرائع سے اس خبر کی پوری وضاحت ہو گئی تھی اور اسی موضوع کو لیکر برطانیہ نے ایک بار پھر مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے۔

اس فلم کی نمائش سے قبل ہی سعودی عرب نے احتجاج کیا تھا اور نمائش پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا تھا مگر برطانوی ذمہ داروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ سعودی سفیر مقیم لندن ناجی صادق مفتی نے اس فلم کی بابت برطانیہ سے برطانوی ٹی۔ وی کے پروگرام پر سخت احتجاج کیا تھا۔ اور کہا کہ مذہب اسلام، ۷۰ کروڑ مسلمانوں اور سعودی طرز زندگی جو عالم اسلام کو عزیز ہے پر ایک اوچھا حملہ کیا ہے۔ مسخ شدہ حقائق پر مبنی سنسنی پیدا کرنے والی یہ فلم خاص طور پر اس لئے شرانگیز ہے کہ اس میں حقائق کو معروضی انداز میں پیش کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ جب کہ فلم کی کہانی کا اصل حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسٹر ناجی نے مزید کہا کہ یہ فلم توہین آمیز اور مبنی بر مخاصمت ہے اس لحاظ سے کہ اس میں سعودی عرب کی زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے معصوم بے گناہ اور معزز حضرات پر جھوٹے الزامات لگا کر انکی عزت و وقار کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہے انھوں نے برطانوی ذرائع ابلاغ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ وہ انصاف اور صداقت کے ان معیاروں سے بہت فروتر ہے۔

دو سال قبل سعودی شہزادی مشعل کو اس کے اقرار پر سزائے موت دی گئی تھی اس واقعہ کو بنیاد بناکر ایک برطانوی صحافی کی تحقیقات پر یہ فلم تیار کی گئی ہے، پانچ ممالک نے فلم بندی کے لئے اپنی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ بالآخر یہ فلم مصر میں فلمائی گئی شہزادی مشعل کا کردار بھی ایک مصری اداکارہ سوزان ابوطالب نے ادا کیا ہے۔ اس کی تیاری میں تقریباً دو سال لگے ہیں اور اخراجات دو لاکھ پونڈ ہے اسے فلمساز و ہدایت کار انتھونی تھامسن نے تیار کیا ہے اور ڈھائی گھنٹہ کی ہے۔

اس فلم کے ذریعہ عربوں اور اسلام میں عورت کی حیثیت کا مذاق اڑایا گیا ہے اس کے مناظر کی رپورٹ پاکستان کے مشہور اخبار "امروز" نے یوں دی ہے اسلامی سزاؤں کو بربریت، سعودی شاہی خاندان کو جابر اور سعودی معاشرے کو بدعنوان ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مردوں اور عورتوں کی علاحدگی اور سخت پردے کے باوجود شاہی خاندان اور دیگر شیوخ کی خواتین نامحرم مردوں کا قرب حاصل کرنے میں کوشاں رہتی ہیں وہ اپنی شاندار امریکی کاروں میں صحرائی شاہراہوں پر نکل جاتی ہیں جہاں امیدوار مرد اپنی اپنی کاروں میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں کاریں ایک دوسرے کے برابر سے گزرتی ہیں، نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو جانچا جاتا ہے اور پھر انتخاب کے بعد ڈرائیوروں کے ذریعہ ملاقات کا وقت اور مقام مقرر ہوتا ہے۔ اس منظر سے ایک ناظر یہی تاثر لے سکتا ہے کہ شاہی خاندان ایک طرف تو جنسی بے راہ روی پر موت کی سزا دیتا ہے اور دوسری طرف خود جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہے اور یوں وہ نہ صرف حکومت کرنے بلکہ اسلام کے دو مقدس ترین مقامات کا پاسبان ہونے کا بھی اہل نہیں ہے۔

اسی فلم میں سعودی حکومت کو ایک کردار کی زبانی مغربی استعمار اور سامراج کی قائم کردہ بتایا ہے اور کہا گیا ہے کہ انگریزوں نے عرب عوام پر مسلط کی، سعودی عوام کا پڑھا لکھا طبقہ بالکل اس کے خلاف ہے اور اس کا تختہ الٹنا چاہتا ہے اس ضمن میں یہ بھی کہلوایا گیا کہ سعودی فضائیہ کے ۳۰ افسروں نے بغاوت کا منصوبہ بنایا تھا لیکن امریکن سی۔ آئی۔ اے نے سعودی حکومت کو بروقت مطلع کر دیا اور یوں یہ انقلاب ناکام ہو گیا اس کے بعد ان ۳۰ افسروں کو امریکی طیاروں میں سوار کیا گیا اور لق و دق صحرا میں پرواز کے دوران انھیں نیچے دھکیل دیا گیا۔

فلم میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں دکھائے گئے کردار حقیقی ہیں لیکن رازداری کے لئے مختلف اداکاروں کے روپ میں پیش کئے گئے۔

سعودی عرب کے سخت احتجاج پر برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کیرنگٹن نے افسوس ظاہر کیا اور معذرت کی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ حکومت کا ٹی۔ وی پروگراموں پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ یہ ہے وہ جواب جو برطانوی ذرائع ابلاغ نے ایک جھوٹ اور افترا پر مبنی فلم پر اختیار کیا ہے اور ان کا ضمیر اسی جواب سے مطمئن ہے، گویا ٹی۔ وی پروگرام برطانوی حکومت کے دائرہ کار سے الگ کوئی چیز ہے اور اسکے عملہ کو باعزت شہریوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے احترام کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان کو شتر بے مہار کی طرح وہ سب کچھ کرنے کی آزادی ہے جو ایک جنگل میں ہوتا ہے۔ کیا وزیر موصوف ملکہ برطانیہ اور وزیر اعظم صاحبہ اور شاہی خاندان کی زندگی پر اس قسم کی بنائی جانے والی فلم پر یہی موقف اختیار کرتے اور ٹی وی کے عملہ اور اس کو تیار کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے بجائے اپنے دائرہ کار سے خارج سمجھتے؟

ان ہی عربوں اور شہزادوں کی بدولت اس وقت برطانیہ اقتصادی بحران سے محفوظ ہے اور جس وقت یہ اپنے سرمائے برطانوی بینکوں سے نکال لیں گے اس وقت شہزادی کی موت نہیں برطانیہ کی موت ہوگی۔ سعودی عرب اس معاملہ میں حد سے زائد سنجیدہ نظر آ رہا ہے اور سختی سے سخت اقدامات کرتا جا رہا ہے۔ اس نے اس فلم سے متعلق تفصیلات شائع کرنے والے تمام اخبارات پر سعودیہ میں داخلہ پر پابندی لگا دی ہے۔ نیز شاہ خالد نے برطانیہ میں مقیم سعودی شاہی خاندانوں کے ارکان کو برطانیہ چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے جن کی تعداد ایک اندازہ کے مطابق سو بتائی جاتی ہے۔

خود برطانیہ بھی اس احتجاج سے متاثر ہو کر اور ان دونوں ملکوں کے مابین تعلقات کشیدہ ہونے کی وجہ سے برطانوی سفیر مسٹر جیمز مقیم سعودیہ جو چھٹی پر تھے اپنی چھٹیاں منسوخ کر کے سعودیہ واپس بھیجا تاکہ سعودی حکمرانوں سے مزید تلخی نہ بڑھنے کے سوال پر گفتگو کریں مگر انکی واپسی سعودی ذمہ داروں کو متاثر نہ کر سکی۔

برطانوی ذرائع ابلاغ ابتدا ہی سے اسلام اور مسلم دشمنی میں مشہور ہے اور اپنے ان مقاصد کو وقتاً فوقتاً جب موقعہ ملتا ہے جہاں ملتا ہے استعمال کرتا رہتا ہے۔ برطانیہ کے نشریاتی ادارہ کا ایک اہم جزء مسلم دشمنی ہے اور وہ کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہے آگ لگا کر پانی لینے دوڑتا ہے۔

برطانوی حکومت ان ہی شرانگیزیوں کے ذریعہ اپنی زندگی گذار رہی ہے اور اس کا نشریاتی ادارہ دنیا کی بہو بیٹیوں اور بزرگوں کی عزت و ناموس سے کھیلنا اور نازیبا باتوں میں اپنے نشریات پیش کرتا ہے یا جاسوسی کا ایک عظیم ادارہ ہے اور نئے ان ایسی شرانگیزیوں کا شکار سربراہان مملکت سے لیکر ایک ادنی آدمی تک ہوتا ہے۔ کیا اس زوال پذیر حکومت کا اب صرف یہی کام رہ گیا ہے کہ اخلاقی دیوالیہ پن کی روٹی کھائے۔

••

# سعودی عرب میں نئے نظام کے تحت شوریٰ کونسل کا قیام

## مرکزی اختیارات میں تخفیف ـــــ صوبائی نظام کا قیام، گورنروں کو مزید اختیارات

محمود حکیم

سعودی وزیر داخلہ شہزادہ نائف بن عبدالعزیز نے اعلان کیا ہے کہ ملک میں جو نیا قانون اور نظام وضع کیا جا رہا ہے وہ موجودہ طریقہ کو باضابطہ بنانے کی جانب ایک قدم ہے۔ انھوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کریم سعودی عرب کا آئین ہے اور اسی کا اطلاق تمام امور پر ہوتا ہے۔ شہزادہ نائف نے کہا کہ نئے نظام حکومت کی تمام شقیں قرآن سے ماخوذ ہیں اور اس نظام سمیت کسی اور قسم کا نظام مثلاً شوریٰ کونسل وغیرہ بھی اسلامی شریعت کے عین مطابق ہوگی شہزادہ نائف نے کہا کہ ابتداءً میں شوریٰ کونسل نامزد ارکان پر مشتمل ہوگی اس پر عملدرآمد کے ساتھ بتدریج تبدیلیاں لائی جائیں گی۔

انھوں نے بتایا کہ شوریٰ کونسل کا ہیڈکوارٹر ریاض میں ہوگا اور اسکے ارکان کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر کیا جائے گا

شہزادہ نائف نے مجوزہ اصلاحات میں ایک صوبائی نظام کا بھی اعلان کیا ہے جس کا مقصد مرکزیت کو کم کرنا ہے اور گورنروں کو مزید اختیارات دینا ہے تاہم شہزادہ نائف نے کہا کہ نئے نظام کی تیاری کے سلسلہ میں قائم کی جانے والی کمیٹی ابھی اس ضمن میں قوانین تیار کر رہی ہے اور اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔

خارجہ پالیسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ علاقہ کے دفاع کے لئے خلیج کے ممالک میں تعاون و روابط بڑھ رہے ہیں اور ہر ملک اپنے پڑوسی ملک کی سلامتی اور تحفظ کے مسئلہ سے واقف ہے انھوں نے خلیجی ممالک سے اخوت بہتر ہمسائگی اور باہمی احترام کی بنیاد پر ایران سے اچھے تعلقات رکھنے کی خواہشات کا اظہار کیا۔

### ترکی میں سیلاب زدہ اور نئی مساجد کی تعمیر کے لئے رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے امداد

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ محمد علی الحرکان نے ترکی میں سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے ادارہ کی جانب سے ۵ ملین لیرہ کی امداد کا اعلان کیا۔ انھوں نے سیلاب سے متاثر مساجد اور نئی مساجد کی تعمیر کے لئے بھی ایک بلین ترکی لیرہ کا اعلان کیا۔ واضح رہے کہ ماہ گذشتہ کے اوائل میں سیلاب سے اسّی افراد جاں بحق ہو گئے تھے انھوں نے اس بات کا اعلان ترک ذمہ داروں سے بات چیت کے دوران کیا۔ انھوں نے ترک وزیر اعظم سلیمان دیمرل سے بھی ملاقات کی اور بہت سے اہم مسائل پر گفتگو کی۔ انھوں نے یہ ملاقات قرصی ترک کی صحافیوں کی کانفرنس منعقدہ نامانگستا سے واپسی میں ترکی میں رکتے ہوئے کی۔ انھوں نے اپنی گفتگو کو نتیجہ خیز، قابل اطمینان اور مثبت بتایا نیز دونوں نے ترکی میں اسلامی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے جیسے اہم امور پر بھی گفتگو کی اور رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے سکریٹری محترم نے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

### ڈاکٹر مصطفیٰ رمضان کی شہادت

لیبیا کے ممتاز صحافی اور بی بی سی کے عربی کے براڈکاسٹر جناب محمد مصطفیٰ رمضان کو ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ وہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر دروازے پر کوئی کتابچہ تقسیم کر رہے تھے کہ دو عربوں نے ان پر گولیوں کی بوچھار کر دی اور وہ فوراً زمین پر گر پڑے ان کو اسی وقت اسپتال پہونچایا گیا جہاں وہ جاں بحق ہو گئے۔

ڈاکٹر محمد سعید مصطفیٰ رمضان کی عمر ۳۵ سال کی تھی، وہ اپنی مصری نژاد بیوی نادیہ اور ۴ سالہ بچی حنان کے ساتھ شمالی لندن میں رہتے تھے۔

وہ بی بی سی کے شعبہ عربی میں کام کرتے تھے اور وہاں سے شائع ہونیوالے عربی اخبار العرب کے ایڈیٹر تھے وہ پکے مسلمان اور مذہبی عقائد کے پابند تھے، وہ لیبیا کی موجودہ حکومت جو کرنل قذافی کی سربراہی میں دہریت کا بازار گرم کئے ہوئے ہے اس کے سخت مخالف تھے۔

ان کی پیدائش تو قاہرہ میں ہوئی تھی لیکن وہ اپنے والدین کی لیبیائی شہریت کو برقرار رکھے ہوئے تھے،

ڈاکٹر مصطفیٰ رمضان ان عرب صحافیوں میں سے تھے جو صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ اہل علم و دین سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کو اپنے لئے باعث عزت و افتخار سمجھتے ہیں اور اس کی جھلک ان کے افکار و خیالات اور تحریر میں ملتی ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ رمضان لندن میں عرصہ سے رہ رہے تھے اور مسلم نوجوانوں میں تبلیغ اسلام اور اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے تھے اور اخبارات و رسائل میں مسلم مسائل پر اپنی رائے و خیالات پیش کرتے تھے اور وہ مسلم نوجوانوں میں دینی کام کو بہت اہتمام سے کرتے تھے اور یورپ میں اسلامی کام کو تیز تر کرنے میں بہت کوشاں رہتے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت نصیب فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

### مولانا احتشام الحق تھانوی کی وفات

برصغیر کے ممتاز عالم دین اور خطیب مولانا احتشام الحق تھانوی کی ۲۸ مارچ بروز جمعہ حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وہ ۲۶ مارچ کو کراچی سے بھارت کے لئے روانہ ہوئے تھے تاکہ مدراس میں سیرت کانفرنس میں شرکت کریں۔ انھیں انجمن مسلمانان مدراس نے اس کانفرنس میں شرکت کے لئے خصوصی دعوت نامہ بھیجا تھا مولانا کو کانفرنس میں تقریر کرنی تھی اور اس سے قبل نماز جمعہ بھی پڑھانی تھی جس کے بعد سیرت کانفرنس کا انعقاد ہونا تھا وہ مدراس روانہ ہونے سے قبل دیوبند اور تھانہ بھون بھی تشریف لے گئے۔

مولانا احتشام الحق تھانوی سنہ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کے شہر اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی اور مولانا ابراہیم بلیاوی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور سنہ ۱۹۳۲ء میں اپنے ماموں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صاحبزادی سے شادی کی اور سنہ ۱۹۴۳ء میں نئی دہلی کی سکریٹریٹ کی مسجد کے امام مقرر ہوئے اور پاکستان بن جانے کے بعد ریڈیو پاکستان سے مسلسل درس قرآن دیتے رہے مولانا آزادی سے قبل اور بعد قومی سیاست میں حصہ لیتے رہے اور پاکستان بننے سے دو ماہ قبل وہ کراچی چلے گئے اور انھوں نے ممتاز عالم دین مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ برسوں دینی اور سیاسی میدان میں کام کیا اور پاکستان کی رویت ہلال کمیٹی کے کئی برس تک سربراہ بھی رہے انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی،

مولانا نے تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز دہلی سے کیا اور اپنی زندگی میں سینکڑوں غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا مولانا نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں متعدد غیر مسلم ممالک خصوصاً افریقی ممالک کا دورہ کیا اور ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں متعدد لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اکثر و بیشتر قرآن اور مذہبی موضوعات پر مولانا کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے ان کی زندگی ہی میں قرآن کریم کا مکمل ٹیپ مولانا ہی کی آواز میں تیار ہو چکا تھا۔

مولانا نے اپنے پس ماندگان میں آٹھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں چھوڑی ہیں سب سے بڑے صاحبزادے کا نام مولانا احترام الحق تھانوی اور سب سے چھوٹے صاحبزادے کی عمر ۱۸ سال کی ہے۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

# اسلامی ممالک میں وسائل کی فراوانی کے باوجود ملت اسلامیہ ایک المناک صورتحال سے دوچار ہے

## بین الاقوامی اسلامی کانفرنس سے سکریٹری جنرل سالم عزام کا خطاب

بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ لندن نے اپنے تاریخی اعلامیہ میں اپیل کی ہے کہ دنیا کے تمام مسلم ممالک میں قرآن و سنت کی حقیقی روح کے مطابق سیاسی، معاشی معاشرتی اور تعلیمی نظام کے قیام کی جدوجہد کی جائے اور اس راہ میں حائل تمام داخلی اور بیرونی رکاوٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ یہ کانفرنس اسلامک کونسل آف یورپ کے زیر اہتمام البرٹ ہال میں، پندرہویں صدی ہجری کے سلسلے میں "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا پیغام" کے موضوع پر منعقد ہوئی تھی اور اس میں برطانیہ کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے تقریباً پانچ ہزار مسلمانوں کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی۔ اس میں سوڈان سے صادق المہدی سابق وزیر اعظم (اور مہدی سوڈانی کے پوتے) جمہوریہ قبرص کے رؤف دینکتاش، افغانی مجاہدین کے لیڈر پروفیسر برہان الدین، اخوان المسلمین مصر کے سربراہ اور ہفت روزہ "الدعوۃ" کے ایڈیٹر جناب عمر تلمسانی، پاکستان کے ممتاز اسکالر پروفیسر غفور احمد اور مسٹر اے۔ کے بروہی اور ملی سلامت پارٹی ترکی کے پروفیسر کورکت اوزال مصر کے سابق نائب صدر جناب کمال الدین حسین، مصری پارلیمان کے رکن صالح ابو اسماعیل، ملائشیا کے مسلم رہنما جناب حاجی یوسف اور پروفیسر خورشید احمد اور فلپائن کے مورو محاذ آزادی کے کئی رہنما اور ملکوں کے وزراء بھی شریک ہوئے۔

اس کانفرنس میں ایرانی طلبہ کے نعروں اور احتجاج سے بار بار خلل پڑا۔ کبھی وہ عراق اور ایران کا مسئلہ لے کر نعرہ لگاتے، کبھی وہ عراقی وفد کے بائیکاٹ کو لے کر نعرہ لگاتے اور خمینی کی موافقت میں جن کی تصویریں اور بینر لئے ہوئے ہال کے باہر تھے۔ ہال کے باہر سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے کیونکہ چند ہی روز قبل مشہور لیبیائی صحافی ڈاکٹر مصطفیٰ رمضان کو شہید کر دیا گیا تھا۔

اس کانفرنس کے جنرل سکریٹری نے سب سے پہلے خطبہ استقبالیہ پڑھا جس میں انھوں نے کہا کہ میں اس تاریخی کانفرنس کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ یہ ایسے وقت منعقد ہو رہی ہے جب کہ پندرہویں صدی ہجری کا آغاز ہو رہا ہے اور دنیا میں اسلامی بیداری کی لہر تیز تر ہوتی جا رہی ہے اس سے قبل اتنی بڑی تعداد میں مسلم علماء، مفکرین، سیاسی رہنماؤں، اسلامی تحریکوں اور تنظیمہائے آزادی کے نمائندوں کا اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا ہے اور اتنی بڑی تعداد میں مسلم دانشور دنیا کو یہ بتانے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟

انہوں نے کہا کہ میں آپ سے ایک مسلمان کی حیثیت سے مخاطب ہوں اور میرے لئے یہ بات بڑی اذیت کی ہے کہ بعض ممبر ملکوں کے پاس وسائل کی فراوانی کے باوجود ملت اسلامیہ آج ایک المناک صورت حال سے دوچار ہے۔ مسلم حکومتوں اور عوام کے درمیان اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو اتحاد و یک جہتی ہونی چاہیئے حقیقت یہ ہے کہ ہم اس سے بہت دور ہیں اور مسلم ممالک میں عام طور پر اقتدار ان لوگوں کو حاصل ہے جو کھلم کھلا اسلام اور عالم اسلام کے دشمن ہیں یا ان کا تعلق اپنے مفادات کے خاطر زبانی ہے اور مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی وابستگی کا المناک حد تک فقدان ہے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں مسلم مسائل کا بھی ذکر کیا اور ذمہ دار طاقتوں کی مذمت کی ـــــ اور امریکہ پر اسرائیل کی سرپرستی کا الزام عائد کیا اور انھوں نے اپنی تقریر میں "غدار سادات کا کردار اور زیادہ مذمت کے لائق ہے"، کہا۔

انھوں نے افغان پر روسی فوج کشی اور غاصبانہ قبضے کی زبردست مذمت کرتے ہوئے اپنی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اس فوج کشی کا مقصد وسط ایشیا کی دوسری مسلم ریاستوں کی طرح اس کا بھی روس سے الحاق ہے اور نو آزاد مملکت قبرص کی آزادی کی حمایت کرتے ہوئے بقا اور تحفظ کے لئے تمام مسلمانوں سے مدد کی اپیل کی۔

نو آزاد مملکت قبرص کے سربراہ جناب رؤف دینکتاش نے قبرص کے مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ قبرصی یونانیوں نے مسلسل گیارہ سال تک ہمارے حقوق کو پامال کیا اور آخر اللہ نے ترک سپاہیوں کو ہماری مدد کے لئے بھیج کر ان مظالم سے نجات دی، یونان کی پالیسی کا مقصد قبرص کا یونان سے الحاق ہے اور یونان مسلسل کوشش کر رہا ہے کہ وہ ہمیں دوبارہ دھوکہ دے کر ہمارے حقوق غصب کرے۔ انھوں نے کہا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے اور آخری دم تک لڑیں گے انھوں نے تمام مسلم ممالک پر زور دیا کہ وہ قبرص کی آزادی کی حمایت کریں۔

پروفیسر عبدالغفور نے تالیوں کی گونج میں اعلان کیا کہ وہ دن ضرور آئے گا جب فلسطین، اریٹیریا اور دیگر محکوم مسلم ممالک کے باشندوں کو حق خود ارادیت حاصل ہو جائے گی۔

اخوان المسلمین مصر کے سربراہ اور ہفت روزہ "الدعوۃ" کے ایڈیٹر جناب عمر تلمسانی نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے حقوق کی بحالی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور مصری یا ایرانی کے بجائے صرف مسلمان ہونے کے احساس کے ساتھ امت واحدہ بن کر اپنے دشمنوں سے نمٹیں

روسی جارحیت کے خلاف سینہ سپر مجاہدین کے سربراہ جناب پروفیسر برہان الدین ربانی نے کہا کہ ہم روس سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک افغانستان آزاد نہیں ہو جاتا۔

### مسلم اقلیتوں کو آزادی اور مساوی حیثیت دیجائے

#### لندن کی دو روزہ مسلم اقلیتی کانفرنس کا مطالبہ

مسلم اقلیتوں کی دو روزہ بین الاقوامی کانفرنس نے اپنے اختتام پر ایک مشترکہ اعلانیہ میں ان ملکوں کی حکومتوں سے جن میں مسلمانوں کی آبادی اقلیت میں ہے زور دیا ہے کہ وہ مسلمان اقلیتوں کے حقوق بحال کریں انھیں آزادی اور مساوات دیں اور ان کی بقا کی ضمانت ملے اور ان کا اسلامی کردار وتشخص برقرار رہے۔

اس کانفرنس کی تحریک اسلامی کانفرنس تنظیم نے کی اور اس کا اہتمام یورپ کی اسلامی کونسل نے کیا۔ یہ کانفرنس پانچ ورکنگ مجلسوں پر مشتمل تھی اور اس میں برطانیہ، فرانس، مشرقی و مغربی یورپ، روس، بھارت، یوگوسلاویہ، سری لنکا، مشرقی افریقہ، تھائی لینڈ، جاپان، امریکہ اور کینیڈا کی مسلم اقلیتوں کے ممتاز لیڈروں نے شرکت کی، مسلم تنظیموں اور تحریکوں کے لیڈروں نے بھی کانفرنس سے خطاب کیا۔ لیڈروں نے اپنی رپورٹوں میں اکثریت کی جانب سے جسے اقتدار حاصل ہے مسلمانوں کو امتیاز اور تعصب کا نشانہ بنایا جانے کی شکایت کی اور کہا کہ اس سلسلہ میں برما تھائی لینڈ روس، بھارت، یونان کے حالات امت مسلمہ کی مخصوص توجہ کے مستحق ہیں۔

کینیا کے مسلمانوں کی سپریم کونسل کے ڈائرکٹر جنرل جناب عبداللہ نے کانفرنس کو بتایا کہ افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے مسلمانوں کی کوششیں ناکافی ہیں اس کے مقابلہ میں عیسائی مشنری کی کوششیں کہیں زیادہ ہیں اور انھوں نے سماجی اور دوسری خدمات کا جال پھیلا دیا ہے کانفرنس کو بتایا گیا کہ جاپان میں اسلام کے لئے روشن امکانات ہیں اسلامک سینٹر جاپان کے حاجی ہشام کمدو نے کہا ہے کہ ایمان کے معاملہ میں جاپانی بڑے کھلے ذہن کے مالک ہیں لیکن تبلیغ اسلام کے لئے ہمیں عیسائی مشنریوں سے سبق سیکھنا چاہیئے اور اسکولوں کے قیام اور مؤثر لٹریچر کی فراہمی پر توجہ دینی چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ جاپان میں مسلمان نوے سال سے موجود ہیں لیکن آج بھی ان کی تعداد چند ہزار ہے ڈاکٹر اسماعیل فاروقی نے کانفرنس کو بتایا

بقیہ صفحہ

مولانا نجم الدین شکیب ندوی

# مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی میموریل سوسائٹی

## (ایک تعلیمی اور سماجی خدمت کا تجربہ)

مرحوم مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی وفات کا حادثہ، جو پچھلے رمضان المبارک (۱۳۹۹ھ) کی آخری تاریخ کو پیش آیا، دراصل ایک ملی اور وطنی حادثہ تھا۔ ان کے قدردانوں، احباب اور شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ تھا جس کو اس عظیم نقصان کا احساس ہوا۔ مولانا تو اب جا چکے لیکن جو کام انھوں نے چھیڑ رکھے تھے اور زندگی بھر خاموشی سے، بلا کسی نمود و نمائش کے جس مشن میں وہ لگے رہے ان کو پورا کرکے اب بھی مولانا سے عقیدت اور مودت کا رشتہ قائم رکھا جا سکتا ہے۔ آنکھیں بس ایک حد تک نقصان کا ماتم کر سکتی ہیں لیکن دل احساس زیاں کو تخلیقی قدر بنا کر خیر اور نیکی کی بازیابی کا سامان کر سکتا ہے۔ میں مولانا کے دوستوں، عزیزوں اور قدردانوں کی اس طرف متوجہ کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

مولانا مرحوم بظاہر صرف معلم تھے اور ان کا تصنیف و تالیف کا کام بھی دراصل ایک خاص نقطۂ نظر سے تعلیم کی توسیع ہی کا دوسرا ذریعہ تھا۔ لیکن اس تعلیم کے کئی پہلو تھے۔ وہ بظاہر مبلغ نہ تھے لیکن انھوں نے زندگی کا شاید ہی کوئی لمحہ گزارا ہو جس میں وہ فریضۂ تبلیغ سے غافل رہے ہوں۔ نہایت مشکل حالات میں، جب کوئی دوسرا یہ ہمت نہ کرتا، انھوں نے لکھنؤ میں "تعلیمات اسلام" کا ادارہ کھول کر لکھنؤ اور قرب و جوار کے ایک بڑے تعلیم یافتہ طبقے کو، کچھ کہے بغیر، محض اپنے ایثار اور عمل کے بل بوتے پر مطالعۂ قرآن کریم کی طرف متوجہ کیا اور اس غرض سے بڑے تجربوں اور سوچ بچار کے بعد نہایت سادہ طریقۂ تعلیم اور بے انتہا سہل اور عام فہم قرآنی ادب تیار کیا، جو آج بھی اپنی آپ مثال ہے۔ تقریروں اور جمعہ کے خطبوں میں، جامعہ ہو یا دارالمصنفین اعظم گڑھ، ابنائے دیہات ہو یا کوئی بڑا شہر اور مقام، مولانا اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو (جن سے مسلمان زندگی میں امتیاز پاتا، اور اس کا وجود مخلوق الٰہی کے لئے خیر بنتا ہے) آسان، موثر اور دل نشین انداز میں پیش کرتے رہے۔ مولانا نے عملی زندگی میں، مخلوق الٰہی کو احترام اور محبت کی نگاہ سے دیکھا، اس لئے وہ جہاں رہے اکثر مذہب و ملت اور اونچ نیچ ہر طبقے نے احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا اور کمال یہ تھا کہ انھوں نے عوام کی قدردانی پر انکسار کا پردہ اس طرح ڈالے رکھا کہ ممتاز ہونے کے باوجود اپنے جاننے اور ماننے والوں کے حلقے میں، اپنے اوپر امتیاز کی چھاؤں نہ پڑنے دی۔ رسول صلعم کی سادگی کی یہ پیروی زبان و بیان میں آسان لیکن عمل میں اتنی مشکل ہے کہ اس پر عمل ایمان و یقین اور عشق و محبت کے سہارے کے بغیر ممکن نہیں۔ مساوات انسانی کے تصور کو اس طرح روزمرہ کی زندگی میں اتارنے والے انسان اب خال خال ہی نظر آئیں گے ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

مرحوم کی شب زندہ داری، ان کے اور ان کے خالق کے درمیان کی بات تھی لیکن شب زندہ کے آخری لمحہ ہی سے ان کے یوم وداع کا آغاز ہوا۔ فجر کی سفیدی نے ان کو حجابات آخرت میں منہ چھپاتے پایا۔ اپنے ذمہ جو فرائض لائے تھے وہ ادا کر گئے اور قضائے فرض کا کوئی بار ان کے آخری لمحۂ حیات پر باقی نہیں رہا۔ زندگی انتہائی سادہ ہونے کے باوجود اپنی پرکاری میں قابل رشک اور موجب تقلید تھی۔ موت بھی ایسی پائی کہ جینے والوں کی حسرتوں کے انبار میں ایسی موت پانے کی تمنا جاگ اٹھی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مولانا علی میاں کی تحریک، پیام انسانیت، ایک نظریہ اور بیمار انسانیت کی مکمل صحت کے لئے ایک نسخۂ اکسیر کی حیثیت سے اب محتاج تعارف نہیں۔ اور جگہیں بھی ہوں گی، جہاں یہ اکسیری نسخہ آزمایا جا رہا ہو۔ مولانا مرحوم ساری زندگی اس نسخہ کی شفا بخشی کے عملی مبلغ رہے۔ تھلنڈی (ضلع رائے بریلی) میں، جسے مولانا کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے، میں نے مولانا مرحوم کو گلی گلی، کھیت کھیت اور گھر گھر یہ نسخہ آزماتے اور اس کی شفا بخشی پر عقیدہ قائم کراتے دیکھا۔ اس ویران اور پرانے قصبہ کے روڑے، جو تقریباً ایک ہزار سال کی اسلامی تاریخ کے بکھرے ہوئے حروف ہیں، گواہ ہیں کہ مولانا نے گلیوں میں ٹھہر ٹھہر کر کس طرح زخمی دلوں پر مرہم رکھا اور کس طرح تپے تپائے اور جلے بھنے ہوئے اور ایک دوسرے سے انتقام پر آمادہ افراد کو اپنے نفس سرد سے سکون بخشا اور بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ پھر لطف یہ کہ کبھی اور کسی سے ان کارناموں کا ذکر نہیں کیا۔ مولانا کے جنازہ کے سفر میں، آس پاس کی آبادیاں اس طرح شریک ہوئیں کہ عیدگاہ کے سامنے کی شاہراہ پر ٹریفک معطل ہو گئی۔ زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر چشم فلک نے اتنی آنکھوں کو کبھی ایک ساتھ اشکبار نہیں دیکھا تھا۔ دیہاتی عورتوں اور بچوں نے جنازہ رکوا کر اس دیوتا کے درشن کئے اور اپنے آنچلوں میں آنسوؤں کی لڑیوں کو بسا کر اس یادگار انسان کو الوداع کہا۔

مولانا علی میاں نے چند غیر مسلم چرواہے بچوں کو مرحوم کے لئے گلوگیر اور چشم پرنم پایا تو بے اختیار ان کے منہ سے کچھ اس طرح کے الفاظ نکلے کہ میں مولانا کو بزرگ تو سمجھتا تھا لیکن ان کا یہ مرتبہ ہے، اس کا اندازہ نہ تھا۔ مخلوق الٰہی کی شہادت سے ان کے علوئے مرتبت کا تعین ہوتا ہے۔

ندوہ کا تخیل یعنی قدیم صالح اور جدید نافع کی پوری واقفیت اور مہارت کے ساتھ اس کی بامقصد اور تخلیقی ہم آمیزی، جس سے اسلام کا قافلہ، زمانے کی ہر تبدیلی کو "بہ مصطفےٰ برساں" کی راہ پر لگ سکے، مولانا کو بہت عزیز تھا۔ جامعہ میں وہ ہر طرح خوش اور معزز تھے لیکن ملازمت کے بندھن ٹوٹتے ہی پھر ندوہ آ گئے ؎

آخر گل اپنی صرف در میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اتنی مختصر مدت میں، جو سبکدوشی کے بعد ان کو ملی، کام کیا ہوتا! لیکن جتنے دن بھی رہے، ندوہ کو اپنے بلند تر تصور تک لے جانے کی آرزو سے غافل نہ رہے۔ یہی آرزو اب ان کا ورثہ ہے۔ جو دوسرے بیسیوں ورثوں کے ساتھ علی میاں کے سپرد ہے۔

مولانا مرحوم اپنی ہمہ جہت زندگی اور عمل کے میدان میں اپنے اسلامی کردار کی وجہ سے ایک چلتا پھرتا ادارہ تھے۔ اس لئے ان کی وفات ایک مفید ادارے کا، جو ایک ساتھ بہت سے کام کر رہا تھا، یکبارگی بند ہونا تھا۔ ان کے وطن کے جاہل عوام بھی یہ خلا محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے اور برادران وطن کو بھی محسوس ہوا کہ ایسی شخصیت نہ رہی جو ہندو، مسلمان، اونچ نیچ اپنے پرائے سب کے دکھ کا درماں ہو اور سب کے لئے جس کی زبان پر ایک میٹھا بول ہو۔ خلا کا یہی احساس تھا جس نے عوام کو یک زبان ہو کر اس تمنا کے اظہار پر مجبور کر دیا کہ کاش مولانا کا کام جاری رہ سکتا!

اس کام کی ضرورت مولانا کے وطن کے جغرافیائی اور سماجی ماحول کی وجہ سے اور بھی محسوس ہوئی۔ تحصیل مہراج گنج میں تھلنڈی ہی وہ مقام ہے جہاں تقریباً ایک ہزار سال سے مسلمان آباد ہیں اور جس کی جامع مسجد کو ایک ہی رات کے لئے سہی حضرت سید سالار مسعود غازیؒ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا (یہ قدیم بنیادوں پر تعمیر مسجد بھی اپنی تکمیل کے لئے کسی اہل خیر کے دست کرم کا انتظار کر رہی ہے)۔ شاہی زمانے سے اس تحصیل میں مسلم ثقافت کا مرکز رہا۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حافظ السابید ہوتا رہا جو اپنے یا کسی دوسرے کے دروازہ پر بلامعاوضہ تعلیم قرآن کریم اور حفظ قرآن کے مشغلے میں لگا رہا۔ فارسی دانی عام تھی اور عربی داں بھی کہیں کہیں ہیں جو عربی کی ابتدائی تعلیم دیتے رہے۔ مولوی سلامت علی صاحب مرحوم (جو مولانا کے بزرگوں میں تھے) ابھی تک مسلمانوں اور ہندوؤں کے حلقوں میں ایک مسلم استاد کی حیثیت سے یاد کئے جاتے ہیں۔ کام منظم نہ تھے لیکن جاری تھے۔ تھلنڈی میں دو جامع مسجدوں کے علاوہ چار اور بھی مسجدیں ہیں جو قدیم سے چلی آ رہی ہیں اور



بحمداللہ آباد بھی رہتی ہیں۔ یہی آبادی آس پاس کے گاؤں میں بسنے والے قلیل التعداد مسلمانوں کا تہذیبی مرکز رہی۔ اس لئے تہذیبی اور تبلیغی نقطۂ نظر سے ضروری محسوس ہوا کہ مولانا مرحوم کے چھوڑے ہوئے کام کو منظم کرنے اور جاری رکھنے کے لئے ایک باقاعدہ ادارہ کی تنظیم کی جائے اور مولانا کے مکتب اسلامیہ کو، جسے وہ کسی نہ کسی طرح چالیس سال تک چلاتے رہے، ترقی دے کر اس جوار کے تمام ثقافتی امور کا مرکز بنا دیا جائے اور ایسی زندہ نرسری تیار کر دی جائے جو مولانا کے کام کے تسلسل کو ٹوٹنے نہ دے۔ مولانا علی میاں کی بھی یہی رائے تھی کہ مولانا کے فیض کے جاری رکھنے کا انتظام کیا جائے۔

چنانچہ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر قصبہ کے مسلمانوں اور مرحوم کے دوستوں اور شاگردوں نے متفق ہو کر مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی میموریل سوسائٹی۔ یو۔پی۔ تھلنڈی۔ ضلع رائے بریلی کی تنظیم کر کے اسے رجسٹرڈ کرا لیا۔ مولانا کے مکتب کو آٹھویں درجہ تک پہونچا دیا گیا اور جیسی آئندہ سال جولائی سے تقریباً وہی نصاب جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معہد (ثانویہ ابتدائی) میں ایک سال پہلے تک رائج تھا، مقامی ضروریات کے پیش نظر تھوڑی سی ترمیم و اضافہ کر کے جاری کر دیا جائے گا۔ عربی، دینیات اور اردو کی زیادہ تر کتابیں جو معہد کے نصاب میں شامل ہیں، پہلے وفانیہ درجوں (۶، ۷، ۸) میں پڑھائی جائیں گی تاکہ اس کے بعد جو طلبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھنا چاہیں وہ وہاں درجہ سوم عربی میں داخلہ لے سکیں اور جو طلبہ اپنے ذاتی حالات کی وجہ سے کہیں نہ جا سکیں ان کو وہیں ہائی اسکول، انٹر اور دوسرے مشرقی علوم کے امتحانات کے لئے تیار کرایا جائے۔ اس تعلیم کے ساتھ کچھ پیشوں کی تربیت بھی ہمارے منصوبہ میں شامل ہے جو ضروری سرمایہ فراہم ہونے کے بعد شروع کی جا سکے گی۔ تعلیم نسواں بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہے اور اس سلسلہ میں کچھ پیش رفت بھی ہوئی ہے۔

پیام انسانیت کے سلسلے میں مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم کا عملی نمونہ پیش کرنا بھی ہمارے منصوبہ میں شامل ہے، اور ہم اپنے تعلیمی و تربیتی پروگرام میں ایسے کام بھی شامل رکھتے ہیں جو عوامی مفاد کے ہوں تاکہ بچوں کے دلوں میں بلاتفریق مذہب و ملت خدمت عوام کا جذبہ پیدا ہو۔ تعلیم اور زندگی کی دوری ختم ہو اور تعلیم و زندگی ایک دوسرے سے مربوط رہیں۔

پیام انسانیت کی تحریک کو نظری اور فکری پلیٹ فارم مہیا کرنے کی نیت سے ہم اسٹڈی سرکلس اور ایک لائبریری کی تنظیم بھی کرنا چاہتے ہیں، بلاتفریق مذہب و ملت تمام اونچے درجوں کے طلبہ جو قرب و جوار کے کالجوں اور دوسرے بڑے شہروں اور اداروں میں زیر تعلیم ہیں اور دوسرے تعلیم یافتہ حضرات شریک ہو سکیں۔ اس طرح ہم کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ انسانیت کو یکجا ہونے، قدم جمانے اور شانہ سے شانہ ملا کر عوامی مفاد کے لئے چلنا آئے۔

ہم اپنی تحریک کا رخ واضح کرنے کے لئے اپنے مقاصد کی فہرست دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ تمام کام ایک ساتھ نہ ہو سکیں گے۔ تعلیمی کام ہم نے شروع کر دیا ہے اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی میموریل سوسائٹی کے ماتحت سلام اردو میڈیم اسکول و اور تھلنڈی کالج کے نام سے طلبہ کی درجہ بندی کر لی ہے۔ یہ نیا اضافہ پرانے چالیس سالہ اسلامیہ پرائمری اسکول کی بنیاد پر ہوا ہے۔ دارالحفظ بھی ہمارے منصوبہ میں شامل ہے جسے ہم جلد سے جلد شروع کرنے کی نیت کر رہے ہیں۔ اللہ ہماری مدد کرے۔

ہمارے مقاصد حسب ذیل ہیں:-

ا۔ مسلم اقلیت کی دینی، دنیوی، صنعتی، تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت کی فکر اور اس کا انتظام اور اس مقصد کے حصول کیلئے اداروں کا قیام۔

ب۔ ایسے نظام تعلیم کا اجرا جس میں مروجہ مضامین کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی، عربی اور دینی تعلیم اور ثقافتی تربیت بھی شامل ہو۔

ج۔ طلبہ کے لئے ایسے دارالاقاموں کا قیام جہاں دینی اور ثقافتی ماحول میں طلبہ رکھے جا سکیں۔

د۔ قومی یکجہتی کے حصول کے لئے وسائل کی تلاش، اسٹڈی سرکلوں اور لائبریریوں کا قیام، تعلیم نسواں اور تعلیم بالغان کا انتظام، نادار بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کی فکر وغیرہ وغیرہ۔

عوام نے اس تحریک کی سرپرستی کے لئے علی میاں سے درخواست کی اور مجھے مولانا کا رفیق اور خادم سمجھ کر اس کی سربراہی (سکریٹری شپ) کے لئے چنا۔ میں ان سب کی محبت اور ذرہ نوازی کا شکر گزار ہوں۔ لیکن مجھے اپنی کمزوریوں اور کمیوں کا علم بھی ہے اور احساس بھی۔ میں علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کے میدان میں مولانا مرحوم کی ہمسری کا کبھی مدعی نہیں رہا۔ لیکن زندگی اور تعلیم کے اکثر نظریات میں آغاز سے مجھے اتفاق رہا۔ اب وہ نہیں رہے تو اپنی کم بضاعتی اور بے بصری کے باوجود ان کے عمل کے میدان میں جگہ بھرنے کی نیت اور حوصلے نہیں، صرف اس بدنامی سے بچنے کے لئے کہ ان کے نقش قدم کا کوئی رکھوالا بھی نہ نکلا، تھلنڈی میں آ کر خاک نشین ہو رہا ہوں۔ مولانا کا سجادہ خالی ہے اور کسی ایسے اہل دل کا منتظر ہے جس کے دل کی تپش آہ سرد سے تہذیب پا چکی ہو۔ مولانا کی جانشینی آسان نہیں، اشک و آتش کا امتزاج ہے کچھ اس طرح کہ آگ سرد نہ ہو لیکن اشکوں کی آبرو اس شعلگی میں بھی قائم رہے۔ کام بڑا مشکل ہے۔ دعا گو ہوں

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم، غیر المغضوب علیہم و لا الضالین ؁

ہر کام جو خدا کی اس مادی دنیا میں کیا جائے، مادی سہارا چاہتا ہے۔ خدا کے بندوں میں جن کو دل بازی اور دل بستگی سے دلچسپی ہو اور نقصان مال میں اطمینان روح کا سامان پائیں وہ اپنا دست کرم اس کام کی طرف بڑھائیں۔ سائل کسی بدلہ اور معاوضہ کی پوزیشن میں ہو تو سوال ہی کیوں کرے۔ ہاں، امید ہے کہ خزائن السموات والارض کا مالک کسی کار خیر کو رائگاں نہ جانے دے گا۔ اور وہ سب اہل خیر اس کی درگاہ سے اپنی نیکیوں کا بدلہ پائیں گے جو اس نیک کام میں ہاتھ بٹائیں گے۔

بہترین چائے کا قابل اعتماد مرکز
عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
نمبر ۱۵ حاجی بلڈنگ ایس وی روڈ
تل بازار بمبئی نمبر ۳
TELEGRAM:- CUP, KATTLY
PHONE No 332220

| | |
|---|---|
| اسپیشل مکسچر | کپ برانڈ |
| اسپیشل ممری | گولڈن ڈسٹ |
| ہوٹل مکسچر | فلاوری اوپی |